READING THE BIBLE TODAY

D. T. NILES

دَورِ حاضرہ میں

کتابِ مُقدّس کا مُطالعہ



ڈی۔ٹی نائلز

ورلڈ کرسچن بکس کے

دورِ حاضرہ میں

کتابِ مقدس کا مطالعہ

مصنفہ

ڈاکٹر ڈی۔ ٹی۔ نائلز ڈی۔ ڈی

مترجم

سلیم فضل الٰہی ۔ بی ایس سی

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

۱۹۶۵ء

بار اوّل

تعداد ۱۰۰۰

کتابِ مُقدس کا طریقِ استعمال

یہ کتاب عام لفظی معنوں میں بائبل کی تمہید نہیں ہے۔ یہ صرف ایک ہی مسئلہ سے سروکار رکھتی ہے کہ ہم دَورِ حاضرہ میں کس طریق سے بائبل کا مطالعہ کریں اور اسے خُدا کا وہ کلام تصور کریں جو اُس نے دَورِ حاضرہ میں ہم سے کہا ہے۔ موجودہ زمانے میں دُنیا کے بیشتر لوگوں کے لئے یہ ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ جن واقعات کا بائبل میں ذکر ہے، وُہ مُدت ہوئی ایسے مُلک میں پیش آئے تھے جس کو دیکھنے کا ہمیں کبھی موقعہ نہیں ملا۔ اس میں زیادہ تر ایسے واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے جن کا ہماری روزمرہ کی زندگی سے بہُت کم تعلق ہے۔ بائبل ہم سے ایسی زبان میں ہمکلام ہوتی ہے جس سے ہم ناواقف ہیں اور اس کا کلام بھی ایسی غیر مروّج اصطلاحات مثلاً گُناہ اور فضل پر مشتمل ہے جو ہماری زندگی کے معاشرے میں رائج نہیں۔ اس مسئلہ کو زیادہ پیچیدہ کرنے والی بات یہ ہے کہ بائبل کی خیال آرائی اور ہماری خیال آرائی کے طریق یکساں نہیں۔ زندگی میں ہمارا اصل کام خُوب خوراک دستیاب کرنا، سیاسی مسائل اور مختلف ممالک کے مابین تکرار اور اُن بن کی بابت ہے۔ یہ باتیں ہماری زندگی میں اصل حقائق کی صُورت رکھتی ہیں اور اس کے برعکس خُدا کا عنصر یا تو ہماری زندگی سے بہُت دُور اوجھل ہے یا

بالکل ہی غائب ہے۔ ہم بائبل کو اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جبکہ ہم سب سے پہلے اُس کی نرالی دُنیا اور ماحول میں داخل ہونے کا اہتمام کر لیں۔ دوم۔ اس کی زبان کو سمجھ سکیں اور سوم، خُدا کو بخُوبی اس فہم و ادراک سے سمجھنے اور رُوحانی نظر سے دیکھنے کے خواہاں اور عادی ہو جائیں جیسے کہ بائبل نویس اُس پاک ہستی کو ہر شے کا مرکز تصوّر کرتے تھے۔ یہی وُہ مسئلہ ہے جو ڈاکٹر ناٹلہ ہمیں سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کتاب "دورِ حاضرہ میں بائبل کا مطالعہ" نہایت ہی آسان زبان میں ہمارے واسطے قلمبند کی گئی ہے تاہم یہ ممکن ہے کہ چند لوگوں کو وُہ خیالات جو اس میں مندرج ہیں سمجھنے میں مُشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ناٹلہ نے تو بائبل کے ہر ایک حصّہ پر کئی سال لگاتار غور و خوض کیا اور اُن کے حافظہ میں پُوری کی پُوری بائبل موجُود ہے۔ مُصنّف کا دماغ بہت تیز ہے۔ اُن کا خیال ایک ہی وقت میں ایک ہی نقطہ سے کئی دُوسرے نقاط تک پرواز کر جاتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک تجویز پیش کی جاتی ہے لیکن اسے بتدریج مُنکشف نہیں کیا جاتا ہے۔ آپ سے ایک سوال پُوچھا جاتا ہے لیکن اس کا جواب وُہ خود فراہم نہیں کرتے بلکہ مطالعہ کُنندہ کے اُوپر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہر ایک صفحہ پر ایسے فقرات تحریر ہیں جنہیں بآسانی ایک پیرا میں بیان کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان باتوں کے پیشِ نظر نتیجہ نکلتا ہے کہ مطالعہ کُنندہ کو جلد بازی سے نہیں بلکہ تحمّل اور دماغی کاوش اور محنت سے پڑھنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

مندرجہ ذیل تجاویز قارئین کی مدد و امداد کی خاطر پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ آپ ایک مرتبہ یا ہو سکے تو دو مرتبہ اس کتاب کو سُرعت سے ایک

ہی نشست میں پڑھ لیں۔ اس طرح آپ کو مصنّف کے دلائل واستدلال کے طریق کا ایک عام خیال ہو جائے گا۔

۲۔ اس کے بعد آپ ہر ایک باب کا تحمّل کے ساتھ مطالعہ کریں۔ تمام حوالہ جات بائبل میں دیکھیں۔ یہ بات ضروری ہے کہ ہر ایک عبارت کو اُس کے متن میں واضح طور پر دیکھا جائے اور جو جگہ اس عبارت کے لئے بائبل کے سلسلۂ خیال میں مخصوص ہے اُسے پہچانا جائے۔ جو فقرات آپ کو پریشان کریں یا اُلجھن میں ڈالیں اُن کے نیچے خط کھینچ دیں۔

۳۔ جن فقرات کے نیچے آپ نے خط کھینچے ہوں اُنہیں ایک جگہ جمع کریں اور اس بات کو معلوم کریں کہ آیا یہ کتاب اِن کے حل فراہم کرنے میں کوئی صریح روشنی ڈالتی ہے یا نہیں۔

۴۔ اس قسم کے مطالعہ سے بالآخر یقینی طور پر آپ کے ذہن میں چند ایسے سوالات رہ جائیں گے جن کے حل اب تک فراہم نہیں ہو سکے ہوں گے۔ اِن سوالات کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کریں اور ان کو حل کرنے کے لئے آپ اس کتاب کی ہرگز مدد نہ لیں۔ ان سوالات کو ذہن نشین کر کے بائبل کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ جب آپ بائبل کو پڑھتے ہیں تو کیا ان سوالات کا حل صاف و صریح نہیں ہو جاتا؟

ڈاکٹر نائلز کا مقصد آپ کی توجہ اس کتاب کے ذریعے بائبل کی جانب مبذول کرانا ہے لہٰذا آپ اس سے استفادہ کریں۔

باب اوّل

تمہید

کتابِ مقدّس کے اوراق میں ہمیں متعدد قدیم سلطنتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان سلطنتوں کی داستان کا آغاز حتیّوں کی حکومت کے زمانہ سے ہوتا ہے اور تقریباً دو ہزار پانچ سو سال کی اس تاریخی داستان کا اختتام مکاشفہ کی کتاب میں ہوتا ہے جہاں زوال رُوم (بابل) کی رویا کا ذکر آیا ہے۔ اس لمبی چوڑی داستان کے ڈھانچہ میں تفصیلاً ایک خاص قوم کی سرگذشت بھی موجود ہے جو خدا کو قادرِ مطلق تصوّر کرتی تھی اور اپنے آپ کو خدا کا ایک خاص وسیلہ سمجھتی تھی جس کی وساطت سے وہ دُنیا کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ اس سرگذشت کے مرکز میں خداتعالےٰ کی اس دُنیا میں جس کو اُس نے خلق کیا اور جس کا وہ حاکم ہے، اور آدم زاد انسانوں میں رہنے کا عظیم الشان واقعہ موجود ہے۔ یسوع اُس وقت پیدا ہوا جبکہ دُنیا میں مردم شماری ہو رہی تھی (لوقا ۲: ۱-۷)۔ لہٰذا اُس کا شمار بھی عام انسانوں میں ہوا چنانچہ جو شخص کتابِ مقدّس کا مطالعہ کرتا ہے اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ اس سلسلۂ تواریخ کا پُورا علم حاصل کرے جو اس کے اوراق میں مُندرج ہے۔

لیکن چونکہ کتاب مقدس تمام تاریخی واقعات کو خدا کے اختیار کے تحت مرتب تصور کرتی ہے لہٰذا اس میں تواریخ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے پاک ارادوں کا سراغ ملتا ہے اور اس کے وعدوں اور اُن کی تکمیل کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک واقعہ اپنی حیثیت سے انسانی معاملات میں خدا کی مرضی کا ظہور بھی ہے۔ کتاب مقدس کو ضبطِ تحریر میں لانے والے نبی تھے۔ اُنہوں نے اس دنیا میں، جہاں خدا اپنے پاک ارادوں کی تکمیل میں مصروف تھا، کلام پیش کیا۔ وہ خدا کے عجیب و غریب ارادوں سے بخوبی واقف تھے۔ ایک نبی غیب بین ہوتا ہے اُن کی پیش گوئیوں کی انتہائی منزل کلمۃ اللہ یعنی ربنا مسیح کا ہمارے درمیان آنا تھا (یوحنا ۱:۱۴) وہ ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا جلال دیکھا۔ چنانچہ جو شخص کتاب مقدس کا مطالعہ کرتا ہے اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ اس سلسلہ نبوت کا سراغ لگائے جو اس کے اوراق میں مندرج ہے۔

بنی نوع انسان کی تواریخ اور خدا کا پاک ارادہ وہ دو امور ہیں جنہیں اگر ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کیا جائے اور ایک ہی داستان کے دو حصے بنائے جائیں تو یہ حقیقت ناگزیر ہو جائے گی کہ ایسی داستان اُن سب کوششوں کی کوائف ہے جو انسان خدا کو حاصل کرنے اور سمجھنے کی غرض سے کرتا آیا ہے۔ اس بات پر ایمان رکھنا کہ خدا ہرے بھرے درختوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتا ہے اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ خدا واحد ہے اور وہ دو عالموں کا حاکم و ناظم ہے، ایمان کے دو مختلف پہلو ہیں جن کے مابین تفہیم اور دیانت کی ایک بہت طویل منزل پائی

جاتی ہے۔ لیکن انسان خُدا کی پاک شخصیّت کی بابت صرف اسی بنا پر علم حاصل کر سکتا ہے کہ وُہ اس امر کو اچھی طرح جانے کہ خُدا کی مرضی یہ تھی کہ وُہ اپنے آپ کو بنی نوع انسان پر ظاہر کرے۔ خُدا کا ذاتی ظہور ہی وُہ حقیقی بنیاد ہے جس کی بنا پر انسان خُدا کو دریافت کر سکتا ہے۔ اُس کا ذاتی ظہور اُس وقت عمل پذیر ہُوا جب بیٹا جو باپ کو جانتا تھا خود انسانوں کے درمیان آیا (متی ۱۱: ۲۵-۲۷) یسُوع کی آمد سے بنی نوع انسان کی تلاش اور تحقیق مکمل ہو گئی۔ جو شخص کتابِ مقدس کا مطالعہ کرتا ہے اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ اس سلسلۂ تحقیق کا سُراغ لگائے جو اس کے اوراق میں مُندرج ہے۔

بالآخر کتابِ مقدس ہمیں اُن اشخاص کے تسلسل کی داستان سُناتی ہے جو خُدا پر ایمان رکھتے تھے ایمان ہی کے وسیلہ سے وُہ لوگ تواریخ میں خُدا کے کارندے مقرر ہُوئے۔ ایمان ہی کے وسیلہ سے اُنہوں نے اپنے زمانہ کے واقعات کی بابت خُدا کی پاک مرضی کی شہادت دی اور نبوت کی۔ ایمان ہی کے وسیلہ سے اُنہوں نے خُدا کی فطرت اور اُس کے پاک ارادوں کو پہچانا جو وُہ اُن پر ظاہر کرتا رہتا تھا لہٰذا ایمان خُدا کے فضل کا ظہور رہتے اور ایماندار خُدا کی لاثانی شخصیّت کو اپنی زندگی میں منعکس کرتا ہے۔ چُونکہ خُدا اپنی شخصیّت کے مختلف پہلوؤں کو بنی نوع انسان پر بتدریج آشکارا کرتا آیا ہے اور انسان اُس کے مکاشفہ کو قبول کرتا گیا ہے لہٰذا خُدا کے متعلق سب حقائق جنہیں ایمان تھامے ہُوئے ہے اور جن سے ایمان کا اظہار ہوتا ہے شمار میں بڑھ گئے ہیں لیکن اس ایمان کا معیار ہرگز نہیں تبدیل

ہُوا اَور یہ وہی معیار ہے جس کی بدولت ایک ایماندار کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ ہابلؔ سے لے کر اُن بے شمار مسیحی گواہوں کی جماعت تک ہمیں حقیقی ایمانداروں کا ایک سِلسِلہ ملتا ہے اَور اُن کے ایمان کا بانی اَور کامل کرنے والا یسُوع مسیح ہے (عبرانیوں ۱۲: ۲)۔ جو شخص کتابِ مقدّس کا مطالعہ کرتا ہے اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ اس سِلسِلۂ ایمان کا سُراغ لگائے جو اس کے اوراق میں مُندرج ہے۔

اَے فضل کے مالک! تُو جو سب لوگوں کے دِلوں میں اچھا بیج بوتا ہے، توفیق بخش کہ ہمارے دِل نہ تو دُنیا کی فکروں سے اتنے سخت ہو جائیں کہ کلام کا بیج اس میں جڑ نہ پکڑ سکے اَور نہ ہی اتنے سطحی یا کم گہرے ہوں کہ اُن میں جڑیں جگہ نہ پا سکیں اَور نہ وہ بوجھ سے اتنے دَب جائیں کہ کلام کی کونپلیں نشو و نما نہ پا سکیں بلکہ اَے آسمانی باپ! توفیق بخش کہ ہم اچھی زمین کی مانند ہوں اَور تیرے پاک نام کے جلال کا وسیلہ ہوں۔ آمین

باب دوم

کتاب مقدّس کا خدا

"خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا کہ روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی۔"

(پیدائش ۱: ۱-۳)

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی، اُس میں زندگی تھی اور زندگی آدمیوں کا نور تھی اور نور تاریکی میں چمکتا ہے اور تاریکی نے اُسے قبول نہ کیا۔" (یوحنا ۱: ۱-۵)

"تمہاری رائے میں ہم اپنے دیوتا سے کیا کریں؟"

جب ہندوستان کے ایک گاؤں میں ہم نے ایک بشارتی جلسہ کا اختتام کیا تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہی پکار رات کی خاموشی کو چیرتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہنچی۔ اس گاؤں میں پہنچ کر ہم نے وہاں کے چند بزرگوں سے ایسی جگہ کی بابت دریافت کیا جہاں ہم ہر رات کے لوگوں کو اکٹھا کر کے جلسہ منعقد کر سکتے تھے ہم نے اُن کو بتایا کہ ہمارا وہاں آنے کا مقصد

خداوند یسوع مسیح کی زندگی کی بابت تعلیم دینا اور اُس کے متعلق تصاویر دکھانا تھا۔ اُنہوں نے ہمیں گاؤں کے مندر میں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اُس شب کو ہم وہاں اکٹھے ہوئے اور مندر کے دروازے پر جو کہ اُس کے متبرک استھان کے عین سامنے تھا ایک کپڑا لٹکایا اور اُس پر خداوند یسوع مسیح کی زندگی کے متعلق تصاویر دکھائیں۔ ہم نے حاضرین کے سامنے تصویریں پیش کیں۔ اِن تصاویر کا مطلب بھی بیان کیا، اُن کی موجودگی میں دُعا بھی کی اور حمد و ثنا کے گیت بھی گائے۔ آخر میں ہم نے اُن سے مسیح کے نقشِ قدم پر چلنے کی درخواست کی سامعین کی سب سے پچھلی صف سے ایک ضعیف العمر عورت نے بڑے پُر فکر اور اُداس لہجے میں پکار کر کہا:۔

"تمہاری رائے میں ہم اپنے دیوتا سے کیا کہیں؟"

کیونکہ یہ سوال ہمارے ذہن میں اُس فطرتِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے جس کا تذکرہ انجیل اعلانیہ کرتی ہے لہٰذا ہم اس اہم سوال سے کبھی بھی مُنہ نہیں موڑ سکتے۔ یہ الٰہی فطرت مسیح ہے اور اُس کی الٰہی حیثیت میں کوئی دُوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کے متعدد دیہاتوں کے لوگوں نے ماس مُوومنٹ کے ذریعے مسیحیت کو قبول کیا ہے۔ ماس مُوومنٹ (MASS MOVEMENT) بہت عام ہے۔ پُورے کے پُورے دیہات یسوع مسیح کو قبول کرنے کی غرض سے متحدہ فیصلہ کرتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس فیصلے کا اظہار کس طریق سے کیا جاتا ہے اور کس حد تک یہ فیصلہ اُن سب لوگوں کی حقیقی اور ذاتی رُوحانی تبدیلی کا ثبوت ہے؟ مَیں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

حیدر آباد کے ایک گاؤں کے لوگ مسیحیت کو قبول کرنے کی غرض سے پاک بپتسمہ لینا چاہتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں اس گاؤں کے پاسبان کا فرض ہے کہ وہ اُن لوگوں سے دریافت کرے کہ آیا اُنہوں نے اپنے اس فیصلہ پر سنجیدگی سے غور و خوض کیا ہے یا نہیں؟ اُس نے آزمائش کے طور پر اُنہیں مشورہ دیا کہ وہ گاؤں کے اُس بُت کو اُٹھا کر دریا میں پھینک دیں جسے وہ اور اُن کے آباواجداد نسل در نسل پوجتے چلے آئے ہیں۔ مذکورہ مشورہ ایک نہایت ہی دقیق آزمائش تھی تاہم گاؤں کے لوگوں نے اس مشورہ پر عمل کیا کیونکہ اُنہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ خُداوند مسیح کے نقشِ قدم پر چلیں گے چنانچہ اُسی مقام پہ جہاں پہلے ایک دیوتا کا مندر تھا اب ایک گرجا گھر تعمیر کیا گیا۔

لیکن فتح کبھی بھی ہر صورت مکمل نہیں ہوتی۔ چند سال ہوئے میں ایک کلیسیا کا پاسبان تھا۔ اس مسیحی جماعت کی عبادت گاہ ایسے مقام پر تعمیر کی گئی تھی جہاں پہلے ایک ہندو دیوتا کا متبرک استھان تھا۔ وہ متبرک استھان ایک درخت تھا جس میں ہندو اعتقاد کے مطابق اُن کا دیوتا رہائش پذیر تھا۔ چنانچہ جن نومریدوں نے وہ گرجا گھر تعمیر کیا، اُنہوں نے اس درخت کو کاٹ ڈالا، لیکن جب وہ درخت کاٹا جا رہا تھا تو کسی شخص نے اتفاقاً اُس کی ٹہنی کو اُٹھا کر گرجا گھر کے احاطہ کے ساتھ لبِ سڑک گاڑ دیا۔ آج وہ ٹہنی ایک اور درخت کی صورت اختیار کر گئی ہے اور اس جگہ کے ہندو لوگ وہاں پوجا کرتے رہیں۔ بشارت کے ماحول میں نور تاریکی سے مقابلہ کرتا ہے حقیقی زندگی ہی بے ڈول چیز کو ایک نہایت شکل و صورت عطا کرتی ہے اور خُدا کا

ازلی کلام دُنیا کے گوشہ گوشہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ کتاب مقدس کا بھی ایسا ہی ماحول ہے کیونکہ کتاب مقدس خدائی نجات بخش کام کی داستان ہے۔ کتاب مقدس کا نقطۂ نظر یہ نہیں ہے کہ انسان ایک نامعلوم خدا کی جانب اپنا ہاتھ بڑھانا جاتا ہے بلکہ کتاب مقدس بذاتِ خود اُن تمام اشخاص کا نقطۂ نظر ہے جو خدا کے نیک افعال کی رَو میں بہہ گئے تھے اور وہ خدا کے وجود پر دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ یقین رکھتے تھے۔ ایسے اشخاص یقین کامل سے اعلان کرتے ہیں کہ خدا موجود ہے اور وہ اُس کے وجود کو ثابت کرنے کی غرض سے نہ ہی کوئی دلیل لاتے ہیں اور نہ ہی کوئی ثبوت دیتے ہیں کیونکہ جس خدا پر وہ یقین کرتے ہیں اُس کا تقاضا اُن پر اور تمام دُنیا پر اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اُس کا وجود اُن کے لئے ایک سچا اور براہِ راست تجربہ ہو چکا ہے۔

زمانہ قدیم سے لے کر موجودہ زمانہ تک یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ انسان خدا کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ وہ لوگ اپنی دلائل کو ایسی باتوں پر مبنی کرتے ہیں جن سے وہ بخوبی واقف ہیں اور ہر ممکن اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کی دلائل خدا کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ چونکہ دُنیا موجود ہے اس واسطے یہ لازمی امر ہے کہ اس کا کوئی خالق بھی ہو۔ چونکہ دُنیا میں مخلوقات پائی جاتی ہیں، لہٰذا لازم آتا ہے کہ ایسی کوئی ہستی ہو گی جس کے وسیلے سے مخلوقات نے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔ کائنات عالم میں نظام پایا جاتا ہے جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اس کا کوئی چلانے والا بھی ہے چونکہ انسانی زندگی میں ایک اخلاقی عالم پایا جاتا ہے لہٰذا کوئی شخصیت

موجود ہے جو انسان کو رُوحانی غذا میسّر کرتی ہے۔ ان لوگوں کو خُدا کے علاوہ کوئی اور شخصیّت زیادہ یقینی محسُوس ہوتی ہے جس کا اُنہیں خُدا سے زیادہ بالواسطہ علم ہے اور جس کے وجُود کا اُنہیں خُدا کے وجُود سے زیادہ تجربہ ہے۔ لہٰذا خُدا کے وجُود کی بابت اُن کا ایمان کسی اور چیز کے وجُود کے تیقّن پر مبنی ہوتا ہے لیکن کتاب مُقدّس کی ابتدا صرف خُدا ہی کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ چُونکہ خُدا ہے لہٰذا دُنیا بھی ہے۔ چُونکہ خُدا کا وجُود ہے اس لئے دُنیا کی مخلُوقات نے اپنی موجُودہ شکل و صُورت اختیار کی ہے۔ چُونکہ خُدا کا وجُود ہے اس لئے زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے۔ چُونکہ خُدا کا وجُود ہے اس لئے شریعت اور فضل کا بھی وجُود ہے۔ بائبل نویسوں کو دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ خُداتعالیٰ کے وجُود کا یقین ہے۔ وُہ دلائل اور مبحث کے ذریعہ خُدا کو ثابت نہیں کرتے بلکہ وُہ خُدا کے نام سے شرُوع کرتے ہیں۔ فی الحقیقت خُدا خُود ابتدا ہے۔

ہمارے لئے یہ بہتر ہوگا اگر ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ خُدا کے وجُود سے متعلقہ یہ بُنیادی قول جس سے کتاب مقدّس کی ابتدا ہوتی ہے اُن لوگوں نے مرتّب کیا تھا جو بہلا وطنی کی تلخی اور تکالیف سے آشنا تھے۔ عہد قدیم کے بابل میں رہنے والے وُہ لوگ اس امر سے بخُوبی واقف ہو گئے تھے اور وُہ خُدا کے وجُود کے متعلّق اس قسم کے سوالات کرنے سے باز نہ رہ سکتے تھے مثلاً یہ دُنیا کہاں سے آئی؟ یا اس دُنیا کی ابتدا کس طریق سے ہُوئی یا یہ کیوں یہاں واقع ہے؟ یا گناہ اور کشمکش، خوشی اور غم، اُمید اور مایوسی، بے رحمی اور

رحم دل سے لبریز دُنیا اس حالت میں کیونکر ہے؟ جو لوگ اس طرح کے سوالات کرتے تھے انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی قوم کی شان و شوکت کا زوال دیکھا تھا نیز اپنی حکومت کا تختہ بھی اُلٹتا ہُوا دیکھا تھا۔ وُہ اِن کے سوالات کی بابت کیا جواب دیتے ہیں؟ وُہ پکار کر جواب دیتے ہیں کہ خُدا نے جہان کو بنایا اور اچھا بنایا۔ (پیدائش ۱:۳۱)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا اِن لوگوں کو کس طرح علم ہُوا؟ خُدا کی بابت اُن کا علم اس وجہ سے ہے کیونکہ اُن کے آباؤ اجداد کو خُدا کی نیکی اور شفقت کا تجربہ ہُوا تھا۔ ممکن ہے کہ جلاوطنی کے ایّام میں وُہ لوگ ایک قوم کی حیثیت سے رہتے ہوں لیکن وُہ اُس وقت ایک منظم قوم بنے جب خُدا اُنہیں اپنی بڑی قدرت سے مُلک مصر سے نکال لایا۔ ممکن ہے کہ وُہ لوگ اپنی قسمت کے متعلق خُدا سے سوال کرتے ہوں۔ لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہُوا جب اُن کا باپ ابرہام خُدا سے ملا اور خُدا نے اُس کی خاطر ایک خاص راہِ زندگی مخصوص کیا۔ خُدا بنی اسرائیل کی ابتدا تھا اور چُونکہ وُہ خُدا ہے اس لئے وُہ تمام مخلوقات کی ابتدا ہے۔ خُدا جو اسرائیل کو مُلک مصر سے نکال کر لایا تھا فلستیوں کو کفتور سے اور ارامیوں کو قیر سے بھی نکال کر لایا تھا (عاموس ۹:۷) جتنی چیزیں اُس نے خلق کی تھیں اُن کا وُہ خُدا تھا اور اُس کے ارادے بتدریج پُورے ہو رہے تھے۔

کتاب مُقدس کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں ہمیں اس لئے دقت پیش آتی ہے کیونکہ ہمارے اذہان میں خُدا کی بابت جو خیالات ہیں وُہ محض اُس کے وجود سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں اُس کے اعمال

کی بابت کوئی خیال نہیں اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے ہم اپنے آپ کو مرکزی کردار تصور کرتے ہیں مثلاً جب ہم کتابِ مُقدس کی کہانیاں پڑھتے ہیں تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کتابِ مقدس کی ہر ایک کہانی کا ہیرو خُدا ہے۔ وہ یُوسف اور اُس کے بھائیوں کی کہانی کا ہیرو ہے۔ داؤد اور ناتن کی کہانی کا اور پولُس اور فلپی داروغۂ جیل کی کہانی کا بھی ہیرو خُدا ہے۔ اس کے برعکس ہم ان کہانیوں کو محض انسانی ہیروؤں کی سرگذشت میں تبدیل کر دیتے ہیں اور ان انسانی ہیروؤں کی زندگیوں کے قابلِ تقلید نمونے پیش کرتے ہیں۔ کتابِ مقدس انسان کے طرزِ عمل کا بیان نہیں بلکہ یہ کتاب انسان اور خُدا کے وصال کا بیان ہے۔ اس کا پُورا احوال بالترتیب ہماری راہنمائی کے لئے اس میں پایا جاتا ہے۔ ایک جانب تو انسان اور نوازش کی خاطر خُدا کا دوامی ارادہ اور دُوسری جانب انسان کو فنا ہونے اور خُدا کی نظروں میں غیر مفید ہونے سے بچانے کیلئے خُدا کی مسلسل جدوجہد ہے۔ "کیونکہ خُدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔" (یُوحنا ۳: ۱۶) خُدا کا یہ فعل جس سے اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بخش دیا اُس کے تمام افعال میں کا عظیم ہے لیکن کتابِ مقدس کے تقریباً ہر صفحے پر خُدا کے ایسے افعال کا ذکر ملتا ہے جن سے یہی پاک ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ خُدا انسان سے محبت رکھتا ہے اس لئے اُس کی نجات کا انتظام بھی اُس نے کر رکھا ہے۔

اس باب کے شروع میں ہم نے اس بات پر غور کیا تھا کہ

کتابِ مُقدّس کا کلام کتنا ہی بشارتی ہے۔ آیئے اب ہم ذرا اگلے مرحلہ پر چلیں اور اس بات پر غور کریں کہ کس درجہ قُربت سے کتابِ مقدّس اس بشارتی نقطۂ نظر پر پابند ہے۔ خُدا ہمیشہ کلام کرتا ہے اور انسان ہمیشہ اُس کے کلام کا جواب دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کبھی کبھار اِن کی یہ مقرّرہ حیثیت عین بالمقابل ہو جاتی ہے، لیکن یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کی اہمیّت طنزاً اور بڑھ جائے۔ کتابِ مُقدّس میں انسان اور خُدا کے مابین گفتگو کی ابتدا اُس وقت ہوئی، جب خُدا نے آدم اور حوّا سے باغِ عدن میں کلام کیا۔ وہاں آدم اور حوّا جن کی آنکھیں گُناہ کی وجہ سے کھُل گئی تھیں، خُدا سے ملے۔ انسانی حالت کی یہ ایک صحیح تصویر ہے۔ ہم مرد و زن آنکھیں کھول کر خُدا کے مُقابل کھڑے اُس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وُہ ہمارے سوال کا جواب دے اور ثابت کرے کہ وُہ راست اور سچّا ہے۔ ہم انسانی عقل سے اُس کا امتحان کرتے اور چاہتے ہیں کہ وُہ ثابت کرے کہ اگر اُس کا وجُود ہے تو وُہ خُدا کا وجُود ہے۔

ہم اپنے دِلوں میں اس بات کا بہُت کم احساس کرتے ہیں کہ جب انسان خُود خُدا کے مُقابل اس قسم کے اختیارات کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا تعلّق و رابطہ خُدا سے مُنقطع ہو جاتا ہے۔ وُہ خُدا سے اوجھل ایک جگہ چھُپ کر رہتا ہے اور ایسی صُورت میں خُدا کے متعلّق جو خیالات پیش کرتا ہے وُہ حقیقت سے بہُت دُور ہیں۔ گو اُس کے خیالات کے تسلسل سے فلسفہ کی عالمانہ کُتب کے اوراق بھر سکتے ہیں لیکن اِن کی بدولت وُہ اپنی پس ماندہ حالت سے ہرگز نجات نہیں پا

سکتا۔ ایوب نبی نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا، حتیٰ کہ اُسے گمان ہوا کہ بحث ہونے سے اُس نے خود کو سچا ثابت کر دیا۔ تب اُس پر خدا کا غضب بھڑکا اور خدا نے ایوب کی جائے گوشہ نشینی کو تباہ و برباد کر دیا۔ تب خداوند نے ایوب کو بگولے میں سے یوں جواب دیا۔

"یہ کون ہے جو نادانی کی باتوں سے
مصلحت پر پردہ ڈالتا ہے؟
مرد کی مانند اب اپنی کمر کس لے
کیونکہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تو مجھے بتا"
تب ایوب نے خداوند کو یوں جواب دیا
"میں نے تیری خبر کان سے سنی تھی
پر اب میری آنکھ تجھے دیکھتی ہے
اس لئے مجھے آپ سے نفرت ہے
اور میں خاک اور راکھ میں توبہ کرتا ہوں" (ایوب ۳۸: ۲،۳، ۴۲: ۵،۶)

انسان کا یہ حق نہیں کہ وہ خدا سے سوال کرے بلکہ خدا کا یہ حق ہے کہ وہ انسان سے پرسش کرے۔ جب کبھی خداوند یسوع سے لوگ سوال کرتے تھے تو وہ جواب یوں کہتا کہ تم میرے سوال کا جواب دو۔ ہمارے سوالات پر خداوند کے جوابات کا انحصار اُن تمام جوابات پر ہوتا ہے جو ہم اُس کے سوالات پر دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کتاب مقدس خدا کے فضل کے اُس مرکزی بھید کی شاہد ہے کہ خدا نے خداوند یسوع مسیح میں انسان کی سب مشکلات کا حل مہیا کر دیا لیکن انسان کو یہ حل اسی وقت میسر ہو سکتا ہے جب وہ یسوع کے اس جواب کو اپنا جواب قبول کر

دے جو اُس نے خدا باپ کو ایک انسان کی حیثیت سے دیا تھا۔ صلیب پر ہمیں انسان کی مکمل فرمانبرداری کی مثال ملتی ہے اور صلیب خداوند یسوع مسیح کا وہ مکمل جواب ہے جو اُس نے خدا باپ کے مطالبات کے عوض میں دیا۔ صلیب پر ہمیں انسان کی ساری ضروریات کا مؤثر اور مفید حل ملتا ہے۔ خدا انسان کو پہلے وہ چیز دیتا ہے جس کا وہ خود مطالبہ کرتا ہے اور بعد ازاں جو کچھ وہ دیتا ہے اُس کا مطالبہ کرتا ہے۔

انسانی حالت کی اصل حقیقت بڑی واضح طور پر کتابِ مقدس کے ابتدائی ابواب میں ممنوع پھل کے درخت کی نشانی کے تحت بیان کی گئی ہے۔ (پیدائش ۳: ۲-۵) یہ صرف خدا ہی کا حق ہے کہ وہ انسان کو حکم دے کہ کونسی چیز نیک ہے اور کون سی چیز بد ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ خداوند کے احکام کو قبول کرے اور ان کی تعمیل کرے۔ یہ جہان ایک باغ ہے جو انسان کی خوشی کے لئے بنایا گیا، لیکن پابندی اس بات کی ہے کہ خدا کی مرضی پوری ہو اور یہ بات انسان کے لئے ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ انسان خدا کی بخششوں کو لامحالہ استعمال کرے گا اور جو پابندیاں خدا عائد کرتا ہے۔ اُن کو وہ قبول نہیں کرے گا۔ انسان اِن بخششوں کو اپنے مقاصد کے حصول کی غرض سے استعمال کرے گا اور اپنی خواہشات کو پورا کرے گا لیکن وہ اِن بخششوں کو خدا کے پاک ارادوں کے ضمن میں ہرگز نہیں پہچانے گا۔ وہ اس حقیقت کو بھول جائے گا کہ جو پابندیاں ممنوع درخت سے پیدا ہوتی ہیں، وہی پابندیاں اس جہان پر بھی عائد ہوتی ہیں،

جہاں خدا کام کر رہا ہے چنانچہ خُدا کے ارادے ہمارے واسطے دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ اہمیّت رکھتے ہیں جو اس جہان میں محوِ کار ہیں۔

خُدا کی بخششیں اپنی حدُود سے پرے اپنے سرچشمہ کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ وُہ خدا کی موجُودگی کا ایک بیرونی نشان ہیں اور اُسی کی مرضی کے طالع ہیں۔ لیکن جب یہ بخششیں ہمیں خُدا سے دُور کرنے لگتی ہیں اور ایسی آزمائش بن جاتی ہیں جن سے ہمیں گمان ہوتا ہے کہ ہم خدا کے بغیر بھی زندگی گُذار سکتے ہیں تو ہمارے اور خدا کے درمیان جُدائی پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ ہم خُدا کے ساتھ "کھُلی ہُوئی آنکھوں" سے راہِ حق پر چلیں۔ ہم خُدا کے ساتھ ساتھ صرف اُس وقت چل سکتے ہیں، جب ہم اُس کی فرمانبرداری میں اپنی آنکھیں بند رکھیں، اور اپنے دِلوں میں دُنیا کی ہر شئے کو اُس کی ذات میں دیکھنے کی اُمنگ کو ترک کر کے خداوند پر کامل ایمان قائم کریں۔ یہ کتنی ہی رحمدلی کا مشاہدہ ہے کہ خُدا نے یہ منصُوبہ بنایا کہ درد وغم کے بغیر انسان اُس کی بخششوں کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"تُو درد کے ساتھ جنے گی۔ مُشقّت کے ساتھ تُو اپنی عُمر بھر اُس کی پیداوار کھائے گا" (پیدائش ۳/۱۶-۱۷)

ہمارے اذہان میں اس بات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کہ جہاں کہیں درد و غم ہے وہاں صحت کا کوئی وجُود نہیں۔ ساری مخلُوقات کراہت اور دردِ زہ میں پڑی تڑپتی ہے اور خُدا کے بیٹوں کے ظاہر ہونے کی راہ دیکھتی ہے۔ (رُومیوں ۸: ۱۹-۲۲) یہ وُہ بیٹے ہیں

جو اس بات کا دعویٰ کریں گے کہ خدا اُن کی مُقدّم میراث ہے اور وُہ خدا پر آسرا رکھیں گے اور یہ دُنیا جس حالت میں اُن کے سپُرد کی جائے گی اُس پر وُہ بادشاہی کریں گے۔ حبقوق نبی کے الفاظ پر ذرا توجہ دیجیے۔

"اگرچہ انجیر کا درخت نہ پھُولے
اور تاک میں پھل نہ لگے
اور زیتُون کا حاصل ضائع ہو جائے
اور کھیتوں میں کچھ پیداوار نہ ہو
اور بھیڑ خانہ سے بھیڑیں جاتی رہیں
اور طویلوں میں مویشی نہ ہوں
تو بھی مَیں خُداوند سے خُوش رہُوں گا
اور اپنے نجات بخش خُدا سے خُوش وقت ہُوں گا۔"
(حبقوق ۳: ۱۷-۱۸)

خُدا کی بابت یہ قول یا اقرار کسی ثبوت یا دلیل کا محتاج نہیں۔ انسان خُدا کا علم حاصل کر چُکا ہے، چُنانچہ اس کا بلاواسطہ اور باوثوق اعلان کرتا ہے۔ اب ایمان اس درجہ تک مضبُوط ہے کہ خُدا کسی اور چیز کی موجُودگی کی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا۔ خُدا کا وجُود یقینی ہے چاہے کچھ اور ہو یا نہ ہو۔ اگر عہدِ عتیق کا ایک مُقدّس اس طرح سے خُدا کے بارے میں اعلان کر سکتا ہے تو اس سے کتنا ہی زیادہ ہم کہہ سکتے ہیں جنہوں نے "خُدا کے جلال کی پہچان کا نُور یسُوع مسیح کے چہرے سے جلوہ گر ہوتے دیکھا ہے" (۲- کرنتھیوں ۴: ۶)

یسوع مسیح کی ملاقات سے خدا کے وجود کی بابت ہمارا ایمان اور یقینی ہو جاتا ہے ۔ اس کے بعد ہمیں کسی برائے نام مذہبی تجربہ کے ذریعہ سے خدا پر ایمان لانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ میں خدا پر اس لئے ایمان نہیں لاتا کہ میری دعائیں سنی جاتی ہیں کیونکہ دعائیں تو اس ہی وقت سنی جائیں گی ، جب خدا کا وجود ہوگا ۔ میں خدا پر اس لئے ایمان نہیں لاتا کہ دنیا کا درد و غم دور ہو جاتا ہے کیونکہ خدا کے ہوتے ہوئے بھی درد و غم کا موثر علاج نہیں ہوتا ۔ میں خدا پر اس لئے ایمان نہیں لاتا کہ بدکاری اور گناہ کو سزا ملتی ہے ، کیونکہ گناہ اور بدکاری کی کامیابی کے باوجود بھی خدا موجود ہے ۔ ایمان کا یہ مسلم یقین مسیحی انجیل کا لازمی جزو ہے ، اور انجیل اس بات کی خوشخبری ہے کہ ہم یسوع مسیح کے وسیلہ سے نجات پاتے ہیں ۔ نجات پانے کا مطلب خدا میں محفوظ ہونا ہے ۔ ہم میں سے بہتوں کے لئے زندگی ایک معمہ ہے جو خدا سے بھی الگ کرنے کا موجب ہو سکتی ہے ، اکثر لوگ خدا سے اس لئے محروم ہو جاتے ہیں ، کیونکہ ان کا ایمان بہت کمزور ہوتا ہے ۔ — اس جہان میں سب سے مشکل چیز ایمان پر پختگی سے قائم رہنا ہوتا ہے تاہم یسوع مسیح کو جاننا ، ایمان کو پاتا اور خدا سے دوبارہ میل کرنا ہے یسوع ہمیں اس لئے نجات دیتا ہے کیونکہ وہ خدا کو ہماری زندگی میں قائم رکھتا ہے ۔

"وہ کلوری کے بادلوں میں سے اس کا نورانی چہرہ مجھے دکھائی دیتا ہے اور میں ایمان لاتا ہوں .....!" [1]

یہ وہی ایمان اور درجۂ ایمان ہے جس کی طرف کتاب مقدس ہماری توجہ کو مدعو کرتی ہے کہ خدا بنیادی حقیقت ہے کیونکہ انسان بلاواسطہ

---

[1] جی ۔ اے ۔ سٹڈرٹ کینیڈی صاحب کی نظم "ایمان" سے اخذ کی گئی ۔

تجربہ کے ذریعہ اُس کی بابت واقفیّت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ وُہ ایمان اَور درجۂ ایمان ہے جس کو کتاب مقدّس بھی ہمارے لئے ممکن کر دیتی ہے اَور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ خُدا خود کو انسان پہ ظاہر کرنے کی بار بار کوشش کر رہا ہے۔ کتاب مقدّس اس امر کا بھی انکشاف کرتی ہے کہ خُدا عمل کرنے والی شخصیّت ہے اَور وُہ انسان سے کلام کرتا ہے، وُہ انسان سے مخاطب ہوتا ہے اَور اس سے جواب طلب کرتا ہے لیکن خُدا کی قربت کا تجربہ محض اِن اثرات کے ذریعہ سے ہی نہیں ہوتا جو انسان اپنی اندرونی زندگی میں اُس کی ملاقات سے حاصل کرتا ہے بلکہ یہ احساس ایک بیرونی کیفیّت ہے اَور اس کا اظہار خُدا کے کلام اَور اِن تمام افعال سے ہوتا ہے جن کے وسیلہ سے وُہ انسان کے بالمقابل آتا ہے۔ بیشتر مذاہب خُدا کا عرفان حاصل کرنے کے لئے دُنیا کو ترک کرنے اَور گیان دھیان کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے برعکس بائبل کی رُو سے خُدا کا علم اس بات کی گواہی دینے سے حاصل ہوتا ہے جو انسان نے اُس کے بارے سُنا اَور دیکھا اور جو خُدا نے کام اَور کلام کے وسیلہ کیا اَور کر رہا ہے۔ انجیل بار بار اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خُدا انسان سے ہمکلام بھی ہُوا اَور اُس نے کام بھی کئے۔

"اُس نے اپنے بازو سے زور دکھایا
"اَور جو اپنے تئیں بڑا سمجھتے تھے اُن کو پراگندہ کیا۔
اُس نے اختیار والوں کو تخت سے گرایا
اَور پست حالوں کو بلند کیا۔
اُس نے بھوکوں کو اچھی چیزوں سے سیر کر دیا

اور دولت مندوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا"۔ (لوقا ۱: ۵۱-۵۲)
آیئے میں آپ کے سامنے ایک واقعہ پیش کروں جس سے خُدا کی حقیقت پر ایمان رکھنے کے نتائج کی توضیح ہو جائے گی۔
لنکا کے جس شہر میں مَیں رہائش پذیر ہُوں، اُس کا نام جافنا ہے۔ وہاں ایک آشرم ہے (آشرم اُس مسیحی جماعت کو کہتے ہیں جس کے ارکان نہایت ہی مقدس اور راستباز اشخاص کی رُوحانی رہنمائی کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں) ایک دن کا ذکر ہے ایک ہندو لڑکا جو کہ نہایت ہی دُکھ اور تکلیف میں مُبتلا معلُوم ہوتا تھا، اس آشرم میں آ پہنچا۔ اُس نے آکر اطلاع دی کہ جس گھر میں وُہ اور اُس کی ماں اور بہنیں رہتی ہیں وُہ آسیب زدہ (وہاں بد رُوحیں رہتی ہیں) ہے۔ اُس گھر پر پتھر برستے ہیں اور اُس میں غیر طبعی اور ہیبت ناک آوازیں سنائی دیتی ہیں جس کی وجہ سے وُہ لوگ مسلسل تکلیف اُٹھا رہے ہیں۔ اُنہوں نے مُختلف جادوگروں کے علم و فنون کی مدد سے اس بدرُوح کو نکالنے کی کوشش کی، لیکن اُن کی ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ چنانچہ اس لڑکے نے میرِ آشرم سے درخواست کی کہ وُہ اُن کے گھر تشریف لائے اور اُس بدرُوح کو وہاں سے نکالے۔ میرِ آشرم نے اُس لڑکے کو جواب دیا۔ "کیا تم ہندو نہیں؟ پھر میرے پاس کیوں آتے ہو؟"
جواب میں لڑکے نے کہا: "جناب مَیں ایک مسیحی مدرسہ کا طالب علم ہُوں اور مَیں نے بائبل کی کلاس میں یہ سیکھا تھا کہ یسُوع نے اپنے شاگردوں کو اختیار دیا ہے کہ وُہ بدرُوحوں کو نکالیں، پس مَیں آپ کے پاس آیا ہُوں"۔
میرا دوست (یعنی میرِ آشرم) تذبذب میں پڑ گیا۔ وُہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ "مَیں نہیں جا سکتا"۔ کیونکہ یوں کہنے سے وُہ خداوند یسُوع مسیح کے

پاک نام پر بے حرمتی لانے کا موجب ٹھہرتا۔ وہ یوں کہنے سے بھی ڈرتا تھا کہ ہاں میں ضرور چلوں گا" کیونکہ اُسے بدرُوح نکالنے کا کبھی موقعہ ہی نہ ملا تھا، اور اس حالت میں وہ بے بس تھا۔ وہ اپنے ذہن میں اس بات پر سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے کہ اچانک اُس کی نظر یسُوع کی ایک تصویر پر پڑی جو اُس کمرے کی دیوار پر آویزاں تھی جس میں یہ گفتگو ہُوئی تھی۔ اُس نے وہ تصویر دیوار سے اُتاری اور لڑکے کو ہمراہ لے کر گرجا گھر میں داخل ہوگیا۔ وہاں اُس نے اس تصویر کو عشاءِ ربانی کے میز پر رکھ دیا اور اُس لڑکے کے ساتھ دُعا کی۔ بعدازاں وہ تصویر اُس لڑکے کو دیتے ہُوئے اُس نے کہا۔

"اسے لے جاؤ اور اپنے گھر میں لٹکا دو اور تُم اُن تمام بد اثرات سے نجات پاؤ گے۔" اُس لڑکے نے وہ تصویر لی اور چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے اُسے دیوار سے لٹکا دیا اور بدرُوحوں سے نجات پائی۔

وہ نوجوان لڑکا ایک ہندو تھا۔ میرا دوست ڈرتا تھا مگر یسُوع اپنے کارِ عظیم میں محو تھا۔ ہماری مذہبی حالت بھی تقریباً ہمیشہ ایسی ہی ہوتی ہے۔ اپنی بے ایمانی کے باوجُود بھی ہم ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ڈر اور خوف کے ساتھ آمیزش رکھتا ہے۔ لیکن خُدا ہمارے ایمان کے معیار کے مطابق نہیں بلکہ اپنے فضل کے معیار کے مطابق کام کرتا ہے۔ اُس کا فضل ہمارے ایمان سے زیادہ مُقدّم اور اعلیٰ تر ہے۔ یہی وہ فضل ہے جس پر ہمارا ایمان نشوونما پاتا ہے۔ انسان اپنے کاموں میں خواہ کامیاب ہو یا ناکامیاب ہو، خُدا ہمیشہ اپنے کاموں کا خود مُختار ہوتا ہے۔ خُدا کی یہی وہ آزادی ہے جس کی بدولت ہمیں آزادی ملتی ہے

اور ایسی آزادی ہمیں اپنے آپ سے اور ہماری مذہبی بندشوں سے نجات دلاتی ہے۔ اس ہی کی بدولت ہم قطعی طور پر اپنے ایمان کے بھروسہ پر نہیں چھوڑے جاتے۔ اس کے برعکس ہمیں رُوحانی بلاغت حاصل ہوتی ہے...... اور خدا کی وفاداری کے وسیلہ سے اپنے ایمان میں اور زیادہ قائم ہو جاتے ہیں۔ خدا کی وفاداری اُس کے کلام اور اُس کے کام اور اُس کے وعدوں سے ثابت ہوتی ہے۔ کتاب مقدس جس رُوحانی زندگی کی طرف ہماری توجہ دلاتی ہے وہ کامل حقیقت کی جانب ایک سلسلہ وار رُوحانی نشوونما ہے۔ یہ نشوونما ہمیں خدا کے افعال کی اصلیت کی طرف لے جاتی ہے۔

ہمیں توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارے گناہ مُعاف ہوئے ہیں۔ ہمیں پاکیزگی کو حاصل کرنے کی جد و جہد کرنی چاہیئے، کیونکہ خدا کی بادشاہی ہمارے درمیان آگئی ہے۔ ہمیں رُوحانی طاقت حاصل کرنی چاہیئے تاکہ ہم خدا کے بچّے بن سکیں، کیونکہ ہم اُس کے بچّے ہیں جن کو یسُوع مسیح نے چُنا اور نجات دی۔ ہمیں کلیسیا کے اتحاد کی خاطر مصروفِ کار رہنا چاہیئے، کیونکہ خدا کے ارادے کے مطابق کلیسیا ایک متحد جماعت ہے۔

لیکن یہ سب باتیں اس حقیقت کا واحد نتیجہ نہیں کہ خدا ہمارے پاس اس کیفیت سے آتا ہے جیسے کہ اُس نے ہم سے پہلے بھی کلام اور عمل کیا ہو۔ دُوسرا نتیجہ جو پہلے کی نسبت کمتر نہیں، یہ ہے کہ مسیحی ایمان ایسا ایمان ہے جو اُن سب حقائق ا عناصر کے رُوبرو پختگی سے قائم رہتا ہے جو اُس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مسیحی ایمان تمام دُنیا کے مقابلہ میں خدا کا علی الاعلان اقرار کرتا ہے کیونکہ مسیحی ایمان جنگ سے نہیں ڈرتا۔ عبرانیوں کے

خط کا مُصنّف مسیحی ایمان کے اس رُخ پر دو مجرب سطروں میں نتیجہ اخذ کر کے پیش کرتا ہے کہ

"ہم اب تک سب چیزیں اس "انسان" کے تابع نہیں دیکھتے مگر یسُوع کو دیکھتے ہیں..... جلال اور عزّت کا تاج اسے پہنایا گیا ہے۔" (عبرانیوں ۲: ۸-۹)

خُدا کی بابت کتاب مُقدّس کی سچائی اس جہان کی سچائی نہیں بلکہ یہ سچائی اس جہان کی خاطر ہے۔ یہ حقیقت اس دُنیا میں سے نمودار نہیں ہوئی بلکہ یہ حقیقت باہر سے اس دُنیا میں آئی ہے۔ یہ سچائی دُنیا سے دوچار ہوتی ہے اور اس کو اُمید اور خُدا کی بابت علم مہیا کرتی ہے۔ کتابِ مقدّس کی اس سچائی کی صورت استدلالی نہیں جس سے ہم گزشتہ واقعات کی بنا پر آئندہ نتائج نکال سکیں بلکہ یہ عموماً ایک "لیکن" یا "مگر" ہے جو ہماری توقعات کے عین برعکس ہے۔

یسُوع اب خُداوند نہیں بنا بلکہ وہ پہلے ہی سے خُداوند ہے۔

"گُناہ کی مزدوری موت ہے مگر خُدا کی بخشش ہمیشہ کی زندگی ہے"۔

"مگر جہاں گُناہ زیادہ ہُوا وہاں فضل اس سے بھی نہایت زیادہ ہُوا"۔

"چاندی سونا تو میرے پاس ہے نہیں مگر جو میرے پاس ہے وہ تجھے دیئے دیتا ہُوں۔ یسُوع کے نام پر چل"۔

ہر ایک مثال میں اس چیز کا "مگر" ہے جو خُدا کو عمل پذیر کر سکتا ہے یا جس کے وسیلہ سے وہ دُنیا کی کمزوری اور ضرُوریات کو پورا کر سکتا ہے۔ اِن تمام امثال میں یہ "مگر" خُدا کی خُداوندی کا "مگر" ہے جو اس دُنیا کی قوتوں اور جھُوٹے دعوؤں کو چیلنج کرتا ہے۔

ابرہام ضعیف العمر تھا اور سارہ بانجھ تھی مگر وہ ایک قوم کے والدین بنے۔

فرعون زور آور تھا اور ملک مصر طاقتور تھا مگر وہ موسےٰ کے آگے نہ ٹھہر سکے۔

عزیاہ بادشاہ فوت ہو چکا تھا اور بنی اسرائیل بے رہنما تھے مگر یسعیاہ نبی اُن کو آسمان میں ایک تخت کی طرف اشارہ کر سکتا تھا۔

یسوع مصلوب ہوا اور اُس کی قبر کو سر بمہر کر دیا گیا مگر وہ آج زندگی کا شہزادہ ہے۔

مسیحی کلیسیا میں نہ ہی طاقتور اور نہ ہی دولتمند شُرکا تھے مگر اُس نے حکومت رُوم کے رُعب اور دبدبہ کا مقابلہ کیا۔

خُدا کی اس حقیقت کے متعلق یرمیاہ نبی کا پیغام کتنا ہی سچّا ہے، جب وہ کہتا ہے :-

"خُداوند یُوں فرماتا ہے کہ نہ صاحب حکمت اپنی حکمت پر اور نہ قوی اپنی قوّت پر اور نہ مالدار اپنے مال پر فخر کرے۔ لیکن جو فخر کرتا ہے اس پر فخر کرے کہ وہ سمجھتا اور مجھے جانتا ہے کہ مَیں ہی خُداوند ہُوں جو دُنیا میں شفقت و عدل اور راستبازی کو عمل میں لاتا ہُوں۔" (یرمیاہ ۹: ۲۳-۲۴)

کتاب مقدّس کی جس عظیم اعلان سے ابتدا ہوتی ہے جہاں خُدا کو خالق اقرار کیا گیا ہے محض خُدا کے کاموں کا اعلان نہیں، وہ خُدا کی ذات کے مظہر ہیں یا دُوسرے الفاظ میں اس حقیقت کا مفہوم یُوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ خُدا خالق ہے تو اس سے ہمارا مدعا

دُنیا کی ابتدا نہیں بلکہ اس دُنیا کی فطرت ہے۔ یہ دُنیا خدا کے ہاتھوں
میں ہے۔ اُس نے اسے خلق کیا اور یہ اُس کے ارادوں کے مطابق تھا۔
اندوہ و غم کی دلگیر شب کو نیز تکلیف و ظلمت کی تاریک گھڑیوں میں انسان
کی رُوح آنے والے دِن کی بابت ایک متفکر سوال پُوچھنے پر مجبُور ہو
جاتی ہے، اور ایمان اِس کے سوال کا جواب یُوں دیتا ہے "خُدا خالق
ہے۔ خُدا ہمیشہ اپنی دُنیا میں اور اس پر برترین حکُومت کرتا ہے۔
وُہ دُنیا کو کبھی نہیں بھُول سکتا"۔

"دیکھ اسرائیل کا محافظ نہ اُونگھے گا نہ سوئے گا" (زبُور ۱۲۱: ۴)
لیکن یہ سب کام وُہ کس لئے کرتا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اُس
کی مرضی پُوری ہو، کیونکہ اُس نے اپنی مرضی کے مطابق دُنیا کی سب
چیزوں کو اچھا بنایا اور ہمیں معلُوم ہے کہ قیامت کے دِن وُہ چیزیں
پھر اپنی ابتدائی حالت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ خُدا فرماتا ہے:۔
"مَیں خُداوند ہُوں جو رحم، عدل اور راستبازی سے اس دُنیا
میں عمل کرتا ہُوں"۔ جس دُنیا میں ہم رہتے ہیں یہ خُدا کی دُنیا ہے اور
اس میں وُہ ہمیشہ موجُود ہے اور مصروفِ کار ہے۔ جس جہان میں ہم
رہتے ہیں اسے خُدا نے نجات دی اور وُہ اس کا خالق ہے۔ نیز
وُہ انسان کی حیثیت سے یسُوع مسیح کی صُورت میں اس دُنیا میں رہا۔
جس دُنیا میں ہم رہتے ہیں یہ ہمارے خُدا باپ کی دُنیا ہے اور یہ دُنیا
وُہ دُنیا ہے جس سے خُدا نے باپ کی سی محبّت کی۔

ہم نے جو کلام مقدّس کے خُدا پر ایمان کے وسیلہ زندگی بسر کرتے
ہیں، اس بات کو سمجھنا ہے کہ خُدا کی بابت تمام سچائی حال، ماضی اور

مستقبل تینوں زمانوں سے تعلق رکھتی ہے یعنی کہ خُدا نے کلام کیا، اب کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ علاوہ ازیں ہم اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ خُدا کے تعلق میں یہ زمانے (حال۔ ماضی اور مستقبل) ایسے نہیں جو محض ایک دوسرے کے بعد واقع ہوں اور مستقبل کے ہر واقعہ کی ضمانت جس کا وعدہ خُدا نے کیا ہے، حال میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اور یہ اس لئے یقینی ہے کہ اس کا تعلق ماضی سے ہے جو خُدا کی مرضی سے واقع ہو چکا ہے اور مستقبل کا ہر ایک واقعہ جس کا خُدا نے وعدہ کیا ہے وہ انسان کو زمانہ حال میں بطور معاوضہ حاصل ہو سکتا ہے اور ہمیں اس کا یقین اس غرض سے ہے کیونکہ اس واقعہ کا وجود اُن اعمال میں ہے جو خُدا نے ماضی میں کئے۔ دُلہا اپنی دُلہن کو لینے آئے گا۔ یہ واقعہ زمانہ مستقبل میں ہو گا تاہم اس دُلہن کی منگنی ہو چکی ہے۔ چنانچہ مستقبل کا وہ واقعہ جب دُلہا دلہن کو لینے آئے گا، اس زمانہ حال پر روشنی ڈالتا ہے جبکہ اس عورت کی منگنی ہو گئی ہے لیکن ابھی بیاہ نہیں ہوا۔ اس اثنا میں منگنی کی یہ حقیقت جو حال اور مستقبل کی ضامن ہے واضح طور پر وقوع ہو چکی ہے اور یہ حقیقت زمانہ ماضی میں ہوئی۔

خُدا کے ہر کام کا تینوں زمانوں سے تعلق رکھنا بائبل کے ریکارڈ میں ایک خاص خوبی پیدا کرتا ہے اور یہ خُدا پر ایمان کے سہ چند اعلانات یعنی کہ وہ خالق ہے، وہ نجات دہندہ ہے اور صادق القول ہے کا صریح اظہار ہے۔ خُدا کے تین کام یعنی تخلیق، نجات اور تکمیل بائبل کے پیغام کا ڈھانچہ ہیں۔

ابتدا میں خُدا نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ ابتدا میں کلام

تھا اور کلام مجسم ہُوا۔ خُدا ابتدا اور انتہا ہے یعنی الفا اور اومیگا۔
آدم پہلا انسان تھا، جسے خُدا نے پیدا کیا یسُوع پچھلا آدم زندگی بخشنے والی رُوح بنا۔ جب یسُوع بڑے قُدرت اور جلال کے ساتھ آئےگا تو تمام چیزوں کی تکمیل ہو جائےگی۔
ابرہام میں بنی اسرائیل کی ابتدا ہُوئی اور وہ خُدا کی قوم قرار دی گئی۔ مُوسیٰ کے وسیلے خُدا نے بنی اسرائیل کو مُلکِ مصر کی غُلامی سے نکالا۔
داؤد کے تحت بنی اسرائیل ایک قوم میں متحد ہُوئے اور اس قوم کی حکُومت دیر تک قائم رہی۔
ابرہام کی بلاہٹ زمانہ حال میں مسیحی کلیسیا کی بلاہٹ میں تبدیل ہو گئی ہے۔ مُلک مصر سے اسرائیل کی رہائی، یسُوع مسیح کے مصلُوب ہو کر نجات دلانے کی پیشین گوئی تھی۔
داؤد کی بادشاہی کی تکمیل مسیح کی بادشاہی میں ہوگی۔

چنانچہ کتابِ مُقدّس کے واقعات کا طریق بیان اس ہی نمونہ پر مبنی ہے اور وسیع یا محدُود حلقہ بیان میں بھی ہمیں اس نمونہ کا سُراغ ملتا ہے۔ اس ہی نمونہ کی بدولت ہم کسی بھی داستان کو بخُوبی سمجھ سکتے ہیں لہٰذا یہ ضرُوری ہے کہ ہم جو کتابِ مقدّس کے خُدا پر ایمان رکھتے ہیں

صرف اس علم پر اپنے ایمان کی بُنیاد رکھیں کہ اُس قادرِ مطلق خُدا کا مکاشفہ ہمیں صرف کتابِ مقدس ہی کے اوراق میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اَور کوئی علم کامل نہیں جس پر ایمان کی بُنیاد رکھی جا سکے۔

موجُودہ زمانہ میں یہ خیال عام مروّج ہے کہ زمانۂ حال کی نسلوں نے خُدا اَور اُس کے کلام پر ایمان رکھنا ترک کر دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ اس پُشت نے سمجھنے اَور معلُومات حاصل کرنے کی جُستجُو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ چند سال ہُوئے مَیں چند طلبا کے ہمراہ یورپ کا سفر کر رہا تھا۔ وُہ طلبا لنکا کے باشندے تھے اَور انگلستان جا رہے تھے تاکہ وہاں مُختلف یُونیورسٹیوں میں تعلیم و تدریس کی غرض سے داخلہ لیں۔ اُن میں سے ایک طالب علم مسیحی گھر سے تعلّق رکھتا تھا۔ اُس کی ماں مسیحیّت کو قبُول کرنے سے قبل بدھ مت کی پیرو تھی۔ وُہ نوجوان اکثر اُن مسیحی حقائق کا تذکرہ کیا کرتا تھا جن پر وُہ ایمان نہیں رکھتا تھا۔ ایک روز مَیں نے قلم اَور کاغذ لے کر اُس لڑکے سے درخواست کی کہ وُہ مُجھے اُن سب باتوں کی فہرست دے جن پر وُہ ایمان نہیں رکھتا تاکہ مَیں اُن کو براہِ راست قلمبند کر لُوں۔ اُس نے کہا کہ وُہ یسُوع کا کنواری مریم سے پیدا ہونے کی حقیقت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ عہدِ عتیق اَور عہدِ جدید میں مُندرجہ معجزات نیز مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا بھی قبُول نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ جب وُہ فہرست مرتب ہو گئی تو مَیں نے اُس سے ایک سوال پُوچھا کہ "تُم نے آخری مرتبہ کس دِن کتابِ مقدس کا مطالعہ کیا تھا؟" اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر مَیں نے پُوچھا کہ

تم نے انجیل کا کوئی حصّہ آخری بار کب پڑھا؟" اور اُس نے یُوں جواب دیا "جناب مجھے انجیل مقدّس کا مطالعہ کیئے ہُوئے ایک طویل عرصہ گزر چُکا ہے"۔ تب مَیں نے اُس کاغذ کو پھاڑ ڈالا جس پر اُس کے اعتراضات اور عدم ایمان کے اُمور قلمبند تھے اور اُس سے کہا۔ "اے لڑکے تُم اپنے تعقّل میں دیانتدار نہیں ہو۔ تم اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہو مگر تُم اتنی بھی تکلیف گوارا نہ کر سکے کہ پہلے اُس کتاب کا مطالعہ تو کرتے جس پر تم اعتراض کرتے ہو۔ پہلے بائبل کا مطالعہ کرو اور پھر اندازہ لگا سکو گے کہ یہ کتاب ایمان لانے کے قابل ہے یا نہیں۔ سفر کے دوران اس واقع کے بعد کبھی بھی اُس نے ایمان یا عدم ایمان کا مسئلہ نہ چھیڑا۔ اس گفتگو سے اُس لڑکے کی زندگی پر کیا اثر ہُوا، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، لیکن وُہ نوجوان آج مسیح کا زندہ گواہ ہے۔

"بشارت" وُہ لفظ ہے جس سے ہم نے اپنے مطالعہ کے اس حصّے کی ابتدا کی تھی۔ آئیے! ہم اسی لفظ سے اپنے مطالعہ کا اختتام کریں کیونکہ کتاب مقدّس کا اصل پیغام اور مفہوم صرف ایک مبشر کے کلام سے صاف واضح ہو جاتا ہے۔

"اُس کے پاؤں پہاڑوں پر کیا ہی خُوش نما ہیں جو خُوشخبری سُناتا ہے اور سلامتی کی مُنادی کرتا ہے اور خیریت کی خبر اور نجات کا اشتہار دیتا ہے جو صیّون سے کہتا ہے تیرا خُدا سلطنت کرتا ہے"۔ (یسعیاہ ۵۲:۷)

باب سوم

ایمان کی خوراک

"اور تو اس ساری طریق کو یاد رکھنا جس پر ان چالیس برسوں میں خداوند تیرے خدا نے تجھ کو اس بیابان میں چلایا تاکہ وہ تجھ کو عاجز کر کے آزمائے اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ تو اس کے حکموں کو مانے گا یا نہیں۔ اور اس نے تجھ کو عاجز کیا بھی اور تجھ کو بھوکا ہونے دیا اور وہ من جسے نہ تو نہ تیرے باپ دادا جانتے تھے، تجھ کو کھلایا تاکہ تجھ کو سکھائے کہ انسان صرف روٹی ہی سے جیتا نہیں رہتا بلکہ ہر بات سے جو خداوند کے منہ سے نکلتی ہے وہ جیتا رہتا ہے"۔ (استثناء ۸: ۲-۳

اور دیکھو متی ۴: ۴)

"یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ موسیٰ نے تو وہ روٹی آسمان سے تمہیں نہ دی، لیکن میرا باپ تمہیں آسمان سے حقیقی روٹی دیتا ہے، کیونکہ خدا کی روٹی وہ ہے جو آسمان سے اتر کر دنیا کو زندگی بخشتی ہے۔۔۔۔۔ زندگی کی روٹی میں ہوں"۔ (یوحنا ۶: ۳۲-۳۵)

من صرف مسافرت میں بنی اسرائیل کی خوراک تھی۔ وہ محض ایسی خوراک نہ تھی، جس سے انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ جب خدا بنی اسرائیل کو ان کی میراث یعنی سرزمین کنعان کی طرف لے جا رہا تھا تو ان کو

بھوک لگی۔ چنانچہ خُدا نے اُن کو خوراک دی۔ بنی اسرائیل کو خوراک مہیا کرنا خُدا کی ذمہ داری تھی۔ یہ ذمہ خُدا کے اُس وعدہ کا باتوکّل حصّہ تھا جب اُس نے اُن سے کہا کہ مَیں تم کو مُلکِ مصر سے نکال کر کنعان کی سرزمین پہ لاؤں گا۔ چونکہ اس سفر کے دوران وُہ خُدا کے وعدہ پر بھروسہ رکھتے تھے، اس لئے منّ کا فراہم ہونا صرف ایک ہی مثال ہے، جس سے خُدا کے منصوبوں اور ارادوں کا سُراغ ملتا ہے کہ وُہ سفر کے دوران اُن کے ساتھ ہے۔ جب خُدا نے کہا "میرے ساتھ چلو" اور وُہ اُس کے اشاروں پر عمل کرنے لگے، تب ہی خُدا نے اُن کو منّ مہیا کیا اور جب تک وُہ خُدا کے اشاروں پر چلیں گے وُہ نہ صرف روٹی ہی سے جیتے رہیں گے بلکہ ہر اُس بات سے جو سفر کے دوران خُدا کے مُنہ سے نکلے گی۔ ایک مسافر وعدے کے بھروسے پر سفر اختیار کرتا ہے اور اس سفر کو جاری رکھنے کے لئے مسلسل اُمید کی روشنی نظر آتی رہتی ہے۔ وُہ مسافر محض روٹی کی بدولت زندہ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اُسے چالیس سال کے طویل عرصہ تک بیابان میں خوش طبع رکھنے کے لئے صرف روٹی کافی نہیں تھی۔

جب یسُوع نے اپنے شاگردوں کو دُعا مانگنی سکھائی تو اُس نے کہا "پس تم اس طرح دُعا کیا کرو کہ اَے ہمارے باپ ... ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے"۔ (متّی ۶: ۹ و ۱۱) اصل یُونانی مسودہ میں لفظ "روز کی" کا جو ہم وزن لفظ ہے اُس کے مفہوم کا تعلّق ایک سپاہی کی زندگی سے ہے کیونکہ یہ لفظ سپاہی کے روزانہ راشن کی وضاحت کرتا ہے۔ جس روٹی کی خاطر ہمیں دُعا مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے وُہ ایسی روٹی ہے جو لڑائی کے دوران ہمیں رُوحانی قوّت دیگی۔

یہ روٹی ہے جو سفر کے دوران ہمیں استعمال کرنی پڑے گی۔ لہٰذا ہر ایک مسیحی سپاہی کو چاہیئے کہ وُہ اپنے تئیں اس روٹی کا اہتمام کرے۔ لیکن اِس مسیحی سپاہی کو محض "روز کی" روٹی ہی دی جاتی ہے کیونکہ ایک سپاہی کی زندگی کا دارومدار کسی ایسی ضمانت پر نہیں ہوتا کہ اُس کی روٹی کی رسد جاری رہے گی جو اختیار ملتا ہے اُس کی وُہ پیروی کرتا ہے اور ایک خاص دستور العمل کے تحت زندگی بسر کرتا ہے۔ یسوع نے ہمیں ایک دولتمند آدمی کی کہانی سُنائی ہے۔ اس آدمی کے پاس اپنی ضرورِیات سے کہیں زیادہ اناج جمع تھا، اور اس کی بدولت وُہ اپنے آپ کو دُنیا کے حوادث و افکار سے محفوظ سمجھتا تھا۔ لیکن خُدا کی آواز جب اُس تک پہنچی تو اُس میں خُدا کی طرف سے یہ پیغام تھا کہ وُہ اپنی روٹی کو اپنے پیچھے چھوڑے اور اس جہان کو خیرباد کہہ دے (لُوقا ۱۲: ۱۶-۲۱) مَن بھی روز کی روٹی تھی جسے بنی اسرائیل جمع کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنی خوراک کے مطابق جمع کیا۔ جس نے زیادہ جمع کیا تھا کچھ زیادہ نہ پایا اور اُس کا جس نے کم جمع کیا تھا کم نہ ہُوا۔ تاہم بعضوں نے روز کی روٹی سے زیادہ جمع کیا، مگر جو کچھ صبح تک رہنے دیا اُس میں کیڑے پڑ گئے اور وُہ سڑ گیا (خروج ۱۶: ۱۷-۲۰) تمام روٹی مَن ہے، بشرطیکہ انسان اسے خُدا کی طرف سے بطور نعمت تصور کر کے قبول کرے جو اُسے اس غرض سے دی گئی ہے کہ وُہ اُن تمام کاموں کے کرنے میں کامیابی حاصل کرے، جو خُدا نے اُس کے سپُرد کیئے ہیں۔ لیکن جب انسان اس حقیقت کو بھُول جاتا ہے کہ زندگی ایک زائرین کا سفر اور ایک سپاہی کی جنگ ہے تب عموماً روٹی ایک آزمائش

بن جاتی ہے۔

یسوع نے پانچہزار لوگوں کو پانچ روٹیوں اور دو عدد مچھلیوں سے سیر کیا تھا اور اُنہوں نے اس کام کے عوض یسوع کو بادشاہ بنانے کی تلقین کی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر کوئی ایسا بادشاہ ہوتا جو اُن لوگوں کی روزمرہ کی زندگی کی ضروریات کو مہیا کرتا۔ یسوع نے بادشاہ بننے سے انکار کیا۔ اُس نے یہ حکم بھی دیا کہ دعوت میں سے جو کچھ بچ جائے اُسے جمع کیا جائے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی کا انحصار خُدا کے اِن عجیب وغریب طریقوں پر نہیں ہونا چاہیئے جن کے وسیلہ سے وُہ کبھی کبھی اپنا کام کرتا ہے لیکن جب اُس بھیڑ نے یسوع کو تنہا نہ چھوڑا بلکہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لی، تب یسوع نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مَیں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ تُم مُجھے اس لئے نہیں ڈھونڈتے کہ مُعجزے دیکھیں بلکہ اس لئے کہ تم روٹیاں کھا کر سیر ہوں۔" (یُوحنا ۶:۲۶)

اور تُم سوچتے ہو کہ جب تُم نے اس معجزانہ طریقے کو دیکھا جس کے وسیلہ سے تمہیں روٹی مہیا ہُوئی تو تم نے اس مُعجزہ کا مشاہدہ کیا جو مَیں نے کیا تھا ہرگز نہیں۔ تمہیں محض روٹی کی ضرورت ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ میرے اس فعل کا اصل مطلب اُس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ جس نے تمہیں روٹی مہیا کی ہے وُہی تمہیں ہمیشہ کی زندگی بھی دے سکتا ہے۔ چُونکہ مَیں تمہیں ہمیشہ کی زندگی دے سکتا ہُوں لہٰذا روٹی بھی دے سکتا ہُوں۔ چنانچہ اگر تُم اس معجزے کی علامت کو (نہ کہ محض معجزہ کو) جانچ لیتے جو مَیں نے تمہیں روٹی دیتے وقت دکھایا تھا تو تُم میرے پیچھے یُوں نہ آتے اور نہ ہی روٹی کی تلاش میں ایسے آتے

بلکہ تم مجھ سے ہمیشہ کی زندگی کی نعمت طلب کرتے۔

یہ سچ ہے کہ اگر ہم اس حقیقت کو واضح طور پہ یاد رکھیں کہ خدا ہی ہماری روٹی کا بندوبست کرنے والا ہے تو ہم اس بات کو بھی یاد کرلیں گے کہ انسان صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ اس سے کہیں زیادہ یہ بات کہ خدا انسان کو روٹی کا محتاج نہ بنائے گا۔ یسوع نے یہ حقیقت دلوں پہ نقش کرنے کی غرض سے ایک اور مثال پیش کی کہ "چراغ جلا کر پیمانہ کے نیچے نہیں بلکہ چراغ دان پر رکھتے ہیں"۔ خدا ہرگز انسان سے کم عقل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خدا جب بھی ایک چراغ روشن کرتا ہے تو اصرار کرتا ہے کہ اسے چراغ دان پہ رکھا جائے تاکہ گھر کے تمام لوگوں کو روشنی پہنچے۔ (متی ۵: ۱۵-۱۶) اگر خدا نے آپ کو روشن کیا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ آپ روشنی دیں۔ اگر خدا آپ کو روٹی دیتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ آپ اس کی خاطر مضبوط ہو جائیں۔

انسان کو صرف روٹی ہی کی اشد ضرورت نہیں حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان روٹی کا بھوکا ہوتا ہے بلکہ انسان کو خدا کے کلام کی ضرورت ہے جس کے وسیلہ سے اس کی جسمانی خوراک ایک روحانی اور پاک خوراک میں تبدیل ہو جائے گی۔ انسان نے اس بات کا تجربہ حاصل کر لیا ہے کہ جب وہ صرف روٹی ہی کی بدولت زندہ رہنے کی سعی کرتا ہے تو اس روٹی میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور وہ سڑ جاتی ہے۔ بنی اسرائیل نے خدا پہ بھروسہ رکھنے کا سبق ابھی سیکھنا تھا۔ چنانچہ خدا نے یہ سبق انہیں یوں سکھایا کہ ان کو پہلے بھوکا مرنے دیا پھر ہر روز انہیں روز کی روٹی کے طور پہ من کھانے کو دیا۔

یسُوع نے کہا تُمہارا خُدا تمہیں خوراک دے گا۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو تُمہارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے۔ تمہارا خُدا تمہیں لباس دے گا۔ ذرا پھُولوں کو دیکھو، وُہ کس طرح اُن کو ملبّس کرتا ہے۔ اس لیے فکرمند ہو کر یہ نہ کہو کہ "ہم کیا کھائیں گے؟ یا کیا پہنیں گے؟" بلکہ تُم پہلے خُدا کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تُم کو مل جائیں گی۔ (متّی ۶: ۲۵-۳۳)

اس سے پیشتر کہ ہم روٹی اور خاص طور پر روز کی روٹی کے لیے خُدا سے دُعا کریں ہمیں یہ دُعا کرنی چاہیے کہ اُس کا نام پاک مانا جائے، اُس کی بادشاہی آئے اور اُس کی مرضی پُوری ہو (متّی ۶: ۹-۱۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ انسان صرف روٹی ہی سے زندہ نہیں رہتا اسلئے خُدا سے دُعا کرتے وقت محض روٹی کی درخواست نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی رُوح و جان کو خُدا کے سپُرد کریں۔ ایسی حالت میں ہماری دُعا خواہ وُہ روٹی کی بابت کیوں نہ ہو حقیقی دُعا بن جائیگی۔

چند سال ہوئے میں جس کلیسیا کا پاسبان تھا اُس کے شُرکا میں ایک ضعیف العمر عورت بھی شامل تھی جسے میں ہر ماہ اڑھائی روپے بطور پنشن (وظیفہ) دینے جایا کرتا تھا۔ یہ رقم اُسے اُس کے خاوند کی اُن معمُولی کلیسیائی خدمات کے عوض میں بطور وظیفہ ملتی تھی جو اُس نے کئی سال پہلے سرانجام دی تھیں۔ اس عورت کی ماہوار آمدنی اس قلیل رقم پر مشتمل تھی اور چند رشتہ داروں کی کرم فرمائی کی بدولت جو اُس کی دیکھ بھال کرتے تھے، وُہ زندگی بسر کرتی تھی تاہم ہر سہ ماہی جب میں اُسے ملنے کی غرض سے جاتا تو وُہ اُس رقم میں سے

۲۵ پیسے میرے حوالے کرتی اور یُوں کہتی "پادری صاحب! خُدا کے کام کے لئے یہ پیسے لیجئے۔" وُہ عورت اپنے پیسوں کو ساڑھی کے پلّو میں گرہ لگا کر رکھتی تھی تاکہ وُہ پیسے اُس کی نظروں سے اوجھل رہیں اور خرچ نہ ہو جائیں اور جب وُہ اس گرہ کو کھولتی تو میں خاموشی میں اُس عورت کے ایمان اور اُس کی فرمانبرداری کے لئے خُدا سے شکرگزاری کی دُعا مانگتا۔ ذرا خیال کیجئے اس عورت کے پاس صرف (۲.۵۰) اڑھائی روپے ماہوار ہوتے تھے جسے وُہ اپنی ملکیت کہہ سکتی تھی، لیکن اس رقم میں سے کچھ حصّہ خُدا کے حضور پیش کرنا اپنا فرض جانتی۔ یہ ایک صاف و صریح علامت تھی کہ اس عورت نے خُدا کی بادشاہی کی راستبازی کی تلاش میں اپنا دِل لگا رکھا تھا۔ اڑھائی روپے تو صرف سوکھی روٹی خرید کر کھانے کے لئے بھی کافی نہ تھے تاہم بقیہ رقم آسمانی باپ کے کارِ عظیم میں حصّہ لینے کی خاطر اس عورت کے واسطے کافی تھی۔ جب ہم خُدا کی راستبازی کی تلاش کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا اوّلین مفہوم یہ ہے کہ ہم خُدا کے ساتھ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کتابِ مقدّس میں لفظ "راستبازی" کا کیا مفہوم ہے؟ ہم اِس لفظ کے معنی کو صرف اُس وقت سمجھ سکتے ہیں اگر ہم اُس بیان کو مدّنظر رکھیں، جس کا ہم نے پیشتر ذکر کیا ہے کہ کتابِ مُقدّس ایک ایسی رُوئداد ہے جو خُدا کو "کام کرتا ہُوا خُدا" پیش کرتی ہے۔ کتابِ مُقدّس کی داستان کا موضوع کتابِ مُقدّس کے اپنے الفاظ میں "زندہ خُدا" ہے اور اس سے نہ صرف یہ مُراد ہے کہ خُدا زندہ ہے بلکہ یہ کہ وُہ زندہ ہے اور دُنیا اور اس کی تواریخ میں مصروفِ کار ہے۔ کتاب مُقدّس فلسفہ کی

کوئی کتاب نہیں، جس کا سروکار خُدا کی ذات اور شخصیت کے مسئلہ سے ہوتا ہے بلکہ اس کتاب کا سروکار اس امر سے اور اس امر کے نتائج سے ہے کہ خُدا "کام کرنے والا خُدا" ہے۔

"اے خُداوند! تیری ساری مخلوق تیرا شُکر کرے گی
اور تیرے مُقدّس تجھے مُبارک کہیں گے۔
وُہ تیری سلطنت کے جلال کا بیان
اور تیری قُدرت کا چرچا کریں گے۔
تاکہ بنی آدم پر اُس کی قُدرت کے کاموں کو
اور اُس کی سلطنت کے جلال کی شان کو ظاہر کریں۔
تیری سلطنت ابدی سلطنت ہے
اور تیری حکومت پُشت در پُشت ہے۔"

(زبور ۱۴۵: ۱۰-۱۳)

خُدا کیا کام کر رہا ہے؟ اور اُس کی سلطنت جو پُشت در پُشت رہتی ہے، اس کا کیا مقصد ہے؟ ہم اِن سوالات کے جوابات کو کتابِ مقدس کی داستان کے واقعات میں اُس وقت پائیں گے جب ہم اِن واقعات کے مُدعا کو پہچانیں گے۔ جب ہم کتابِ مُقدّس کی داستان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کہانی پہلے آدم سے شرُوع ہو کر پچھلے آدم پر آ کر ختم ہوتی ہے۔ پیدائش سے لے کر نئی پیدائش تک یعنی ابرہام سے لے کر جس کے ذریعہ تمام اقوام برکت پائیں گی، صیّون تک جس کے وسیلے سے ساری اقوام کو اکٹھا کیا جائے گا۔ بابل کی گڑبڑ سے لے کر پنتیکُست کی جماعت تک۔ نُوح جس نے دھنک کو خُدا کی اُس رحمت

کی علامت قبول کیا جو وُہ بنی نوع انسان پر کرتا ہے، اُس سے لے کر اُس تخت تک جو آسمان پر رکھا ہے اور جس کے گرد زمرد کی سی ایک دھنک معلوم ہوتی ہے اور جو خُدا کے رحم کی علامت ہے۔
(مکاشفہ ۴: ۳) پیدائش کی کتاب سے لے کر مکاشفہ کی کتاب تک ہمیں واقعات کی ایک سلسلہ وار تحریک ملتی ہے۔ کتاب مُقدس کا یہ عظیم قول ہے کہ خُدا اس تحریک کا بانی ہے اور اُس ہی کی مرضی اور حکمت سے وُہ واقعات پیش آتے ہیں، یہ وُہ قول ہے۔
کہ جس خُدا نے اس جہان کو پیدا کیا ہے وُہی اسے پایہ تکمیل تک پہنچائے گا۔
کہ جس نے اُس کی ابتدا کی ہے وُہی اُس کو مکمل بھی کریگا۔
کہ جس نے وعدہ کیا ہے وُہی اُسے پُورا بھی کریگا۔
کہ جس نے بُلایا ہے وُہی اس بلاہٹ کو پُورا بھی کریگا۔
خُدا اس لئے کام کرتا ہے کیونکہ خُدا وفادار ہے۔ وُہ اُن تمام چیزوں پر بھروسہ رکھتا ہے جنہیں اُس نے پیدا کیا ہے۔
خُدا کی راستبازی وُہ سمت ہے جس کی جانب تمام مخلوقات اُس کی وفاداری میں متحرک ہو جاتی ہے اور جو شخص ایمان کے وسیلہ سے زندگی بسر کرتا ہے وُہ ایسی زندگی بسر کرتا ہے جو اس سمت کی زندگی کے موافق ہے۔ خُدا کی بادشاہت اور اُس کی راستبازی کے طالبوں سے یہی اُمید کی جاتی ہے اور جو اس طریق سے اُس کے طالب ہوتے ہیں، اُن کو تمام نعمتیں جن کی تلاش میں لوگ مارے مارے پھرتے ہیں اور جن میں خوراک، پوشاک اور حفاظت شامل ہیں خود بخود مل جاتی ہیں۔

استثنا کی کتاب میں جو الفاظ بنی اسرائیل کو خدا کے ساتھ سفر کرنے کی بابت کہے گئے یہ ہیں - "ان چالیس برسوں میں نہ تو تیرے تن پر تیرے کپڑے پرانے ہوئے اور نہ تیرے پاؤں سُوجے" (استثنا ۸: ۴) نہ خدا اُن کو بھولا نہ اُس نے اُنہیں ترک کیا۔

خدا کی وفاداری پر جو ہمارا ایمان قائم ہے اُس کی پرورش اور نشوونما خدا کے کلام سے ہوتی ہے۔ فی الحقیقت یہی وُہ اعلیٰ منصب تھا جس کے پیش نظر خدا کا کلام ہمیں دیا گیا۔ خدا کا کلام ایمان کی زندگی کی خوراک ہے۔ جب خدا انسان سے کلام کرتا ہے تو وُہ اپنی پاک ذات کو انسان پر ظاہر کرتا ہے۔ خدا کا کلام جو انسان کو دیا گیا اس سے یہ مُراد ہے کہ اولاً خدا انسان سے گفتگو کرتا ہے۔ دوم انسان خدا کو حاصل کر سکتا ہے اور اُس تک رسائی پا سکتا ہے اور سوم۔ خدا عمانوایل بنا جس کا ترجمہ ہے "خدا ہمارے ساتھ"۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کا کلام خواہ کسی بھی شکل میں ہو، ہمیشہ انسان کو دعوت دیتا ہے اور وُہ دعوت یہ ہے کہ وُہ اُس کے کلام کو سُنے، اُس سے گفتگو کرے اور اُس کے پیچھے پیچھے ہولے اور اس کلام میں انسان کے لئے خدا کا وُہ وعدہ بھی شامل ہے کہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے گا ہرگز شرمندہ نہ ہوگا (۱-پطرس ۲: ۶)

بنی نوع انسان سے خدا کے کلام کرنے کی انتہائی منزل وُہ تھی جب کلام مجسم ہوا اور انسانوں کے درمیان رہا (یُوحنا ۱: ۱۴) یسُوع میں نہ صرف انسان کی خدا تک رسائی ہوئی بلکہ انسان خدا کی قربت میں آگیا۔ خدا کی یہ دعوت کہ انسان اُس سے گفتگو کرے، اس دعوت میں بدل

گئی کہ انسان اُس کی صحبت میں رہے اور خُدا کی وُہ قدرت جو اُس کے تمام کاموں سے ظاہر ہوتی ہے انسان کو نجات دینے والی قدرت میں تبدیل ہو گئی۔ مقدّس پولُس یُوں پُکار کر فرماتا ہے "مَیں انجیل سے شرماتا نہیں اس لئے کہ وُہ ہر ایک ایمان لانے والے کے واسطے.. نجات کے لئے خُدا کی قدرت ہے، اس واسطے کہ اس میں خُدا کی راستبازی ایمان سے اور ایمان کے لئے ظاہر ہوتی ہے جیسا لکھا ہے کہ راستباز ایمان سے جیتا رہے گا۔" (رُومیوں ۱: ۱۶-۱۷)

پولُس رسُول کے یہ الفاظ ہمیں وُہ تمام منازل کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جن کی مدد سے ہم نے اپنے استدلال میں اب تک بتدریج ترقی کی ہے۔ اِن منازل کو مندرجہ ذیل فقرات کے وسیلہ ترتیب وار یُوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

زندہ خُدا

کام کرنے والا خُدا

خُدا کی راستبازی

خُدا کی وفاداری

ایمان کا جواب

فرمانبرداری کا جواب

مسافر کی زندگی

کلام کی پرورش

اب ہم اس سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں جو اس دلیل سے قُدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ کس لحاظ سے کتابِ مقدّس اپنی ذات

ہیں خُدا کا کلام ہے اور کتابِ مقدّس کو پڑھنے سے ہم کس طرح اس رُوحانی خوراک کو حاصل کر سکتے ہیں جو خُدا کے کلام کے وسیلہ سے ملتی ہے ؟

اس سوال کے جواب میں سب سے پہلی بات بیان کرنے کے لائق یہ ہے کہ کتابِ مقدّس خُدا کے کلام کو تین صورتوں میں پیش کرتی ہے۔

آیئے اب ہم اپنا مطالعہ پُرانے عہد نامے سے شروع کریں اور اس حقیقت کو دیکھیں۔

وہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس بُنیادی صُورت میں خُدا کا کلام ہمیں ملتا ہے وُہ ایک خبر کی صُورت ہے۔ خُدا نے چند کام کیے اور خُدا کے یہ افعال ہی زندگی کے ڈھانچے کو مرتّب کرتے ہیں۔

خُدا نے آسمان اور زمین اور جو کُچھ اُن میں ہے اُسے بنایا ہے۔

وُہ گُناہگار انسان سے مُلاقات کرتا ہے اور اس سے گفتگو کرتا ہے۔

خُدا نے ابرہام کو بُلایا تاکہ وُہ اُس قوم کا باپ کہلائے جو اُسے عزیز تھی۔

خُدا نے اس قوم کو مقرّر کیا کہ وُہ اس جہان میں خُدا کے نجات بخش کاموں کا ہتھیار ثابت ہو۔

اُس نے اپنی قوم کو مُلک مصر کی غُلامی سے نکالا اور اُن کو اُس مُلک میں لایا جو اُن کی وراثت تھا۔

اُس نے اپنی اُمّت کو داؤد بادشاہ کی سلطنت کے تحت قائم کیا تاکہ وُہ اُس کے نام کے جلال کے شاہد بنیں۔

جب اُنہوں نے گُناہ کیا تو خُدا نے اُن کو سزا دی اور جب

اُنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی تو خُدا نے اُنہیں مُعاف کر دیا۔ خُدا نے اُن کے پاس انبیا بھیجے تاکہ وُہ اُس کے پیغام کو سُنائیں اَور اُن کے مقابل بادشاہ بھیجے جو اُس کے عدل و انصاف کو عمل میں لائیں۔

خُدا کے یہ تمام افعال اس نمونے کو مرتّب کرتے ہیں جس کے وسیلہ سے خُدا انسان سے گفتگو کرتا رہتا ہے اَور تحریری اَور زبانی الفاظ دونوں اِن افعال کے ساتھ وابستہ ہیں اَور ان کے مفہوم کو صاف و عیاں کرنے میں ہماری مدد و امداد کرتے ہیں۔ وُہ ہماری زندگی کے حالات اَور ماحول کو صریح کر دیتے ہیں اَور اُن کی وساطت سے ہم اپنے درجہ و منزلت کو پہچان لیتے ہیں اَور اپنے رُوئے سخن کے باعث کو بھی معلُوم کر لیتے ہیں۔ خُدا کے یہ تمام افعال انسان کی بابت بائبل کی اس بُنیادی حقیقت کی تشریح اَور وضاحت کر دیتے ہیں کہ انسان خدا کی شبیہ میں خلق کیا گیا تھا۔ جس امر کے پیش نظر انسان ایک حقیقی انسان بن جاتا ہے یہ ہے کہ وُہ خدا سے اُس کی شبیہ ہونے کی بنا پر رشتہ رکھتا ہے۔ انسان خُدا کی شخصیت کو اپنی زندگی میں منعکس کرتا رہتا ہے اَور خُدا انسان کی زندگی میں یہ امر رُونما کرنے کا سبب ٹھہرتا ہے۔ چُونکہ انسان خُدا کی شبیہ پر خلق کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان خُدا کے افعال کا باعث ہے۔

خُدا کے افعال اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ انسان خُدا کی ملکیت ہے، جس نے اُسے خلق کیا۔

خُدا کے افعال انسان پر یہ امر واضح کر دیتے ہیں کہ وُہ اُسے

کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ گُناہ کی حالت

میں بھی نہیں چھوڑتا۔

ایسے افعال انسان کو خُدا کی رحمت اور تحمّل کا یقین دلاتے ہیں اور

اُسے دعوت دیتے ہیں کہ وُہ خُدا کے خاندان میں شرکت کرے۔

وُہ انسان کو دعوت دیتے ہیں کہ دُنیا کی نجات کے اُس انتظام

میں جو خُدا نے کیا شریک ہوں۔

وُہ انسان کو اُس کی نجات کی خوشخبری دیتے ہیں۔ وُہ انسان

کو یقین دلاتے ہیں کہ خُدا کی رہبری اُس کے ساتھ ہو گی۔

ایسے افعال انسان کو خبردار کر دیتے ہیں کہ وُہ نہ ہی خُدا کی حُکم عدولی

کرسکتا ہے اور نہ ہی اُس کے عدل و انصاف سے بچ سکتا ہے۔

لیکن چُونکہ خُدا کا کلام اس کے اعمال کی وساطت سے انسان

تک پہنچتا ہے جو وُہ زمانہ قدیم سے مسلسل کرتا آیا ہے اور جو وُہ ہمیشہ

کرتا رہتا ہے، لہٰذا وُہ کلام اُن تمام مطالبات کی صُورت میں بھی انسان

تک رسائی پاتا ہے جو خُدا وقتاً فوقتاً انسان سے کرتا رہتا ہے۔ جس

دوسری صُورت میں ہمیں عہدِ عتیق میں خُدا کا کلام ملا وُہ "شریعت" ہے۔

یہُودی اپنے پاک نوشتوں کی پہلی پانچ کُتب کو مجموعی طور پر "توریت"

کہتے تھے۔ توریت کے معنی ہیں شرع۔ اگرچہ یہ پانچ کُتب واقعی طرح

طرح کے قوانین سے بھری ہُوئی ہیں تاہم وُہ دراصل تواریخی واقعات

کا سلسلہ وار مجموعہ ہیں۔ اِن میں پیدائش کی داستان مندرج ہے اور اِس میں

ہمیں انسانی تواریخ کی ابتدا کا ذکر ملتا ہے۔ اِن کُتب میں نجات کی

داستان اور بنی اسرائیل کی میراث کا تذکرہ ہے۔ اِن میں ہمیں سفر کا

اور ایسی حکومت کے بارے میں منعقد اُمید کا ذکر ملتا ہے، جو کہ مستقبل میں قائم ہونے والی ہے۔ لیکن جب اہلِ یہود نے اِن واقعات پر اور ان کے باطنی مفہوم پر غور و خوض کیا تو اُنہیں یہ امر صاف اور صریح طور پر واضح ہو گیا کہ درحقیقت وُہ واقعات انسان کے متعلق خُدا کی مرضی کا مظہر ہیں اور وُہ پاک مرضی ایسی شریعت ہے، جس کے تحت انسان کو اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اِن واقعات نے اس دستورالعمل کو ظاہر کر دیا جس کے تحت انسانوں کو خُدا کے جہان میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

انسان کو چاہیئے کہ وُہ خُدا کے جلال کو اپنی زندگی میں منعکس کرے کیونکہ وُہ خُدا کی شبیہ پر خلق کیا گیا ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ وُہ خُدا کے احکام کی تعمیل کرے کیونکہ وُہ خُدا کا باہمی کارندہ منتخب ہُوا ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ وُہ خُدا کی پاکیزگی کو تصرّف میں لائے کیونکہ اُسے خُدا نے نجات بخشی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اِن تمام تفصیلات میں جو کتابِ مقدّس کی پہلی پانچ کُتب کے قوانین کو مرتّب کرتی ہیں، خُدا کا کلام تلاش کرنا ہمارے لئے مُشکل ہے۔ لیکن جوں جوں ان اُمورِ شریعت (قوانین) کو بار بار پڑھا جاتا ہے اور اِن حالات کو بخُوبی ذہن نشین کیا جاتا ہے جن کے تحت یہ قوانین انسان کو زبانی یا تحریری شکل میں اُسے دیئے گئے تھے تو مطالعہ کنندہ پر روشن ہو جاتا ہے کہ یہی چار خیالات جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی خُدا کا جلال، خُدا کے احکام، خُدا کی پاکیزگی اور خُدا کا عہد تمام شریع کی بُنیاد ہیں۔

اوّل - انسان کا فرض ہے کہ وُہ خُدا کی تمجید کرے اور خدا کے جلال کی گواہی دے - اس سے مُراد یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وُہ اپنی زندگی میں دُعا اور عبادت کرنے میں معرُوف رہے، کیونکہ ان ہی کی بدولت خدا کے نام کا جلال ہوتا ہے - علاوہ بریں انسان کو چاہیئے کہ وُہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ تمام معاملات میں خُدا کی اس محبت کے کمال کا اظہار کرے، جو اُسے انسان سے ہے -

دوم - انسان کا فرض ہے کہ وُہ خدا کی مرضی کو پُورا کرے اور اس کے احکام کی تعمیل کرے اس سے مُراد یہ ہے کہ انسان کو مشقت اور صبر سے پہلے خدا کی قربت حاصل کرے تاکہ اُس کی مرضی کو پہچان سکے - اگر وُہ اس قدر تادیب کے تحت اپنی زندگی کو ڈھالے گا تو بالآخر اُس کی عبادت اور اُس کا چلن اُسے اس قابل بنا دیں گے کہ وُہ ان تمام کاموں کو سرانجام دے سکے گا جو اُس کے سپُرد کیئے گئے ہیں -

سوم - علاوہ ازیں انسان کا فرض ہے کہ وُہ خُدا کی پاک ذات میں ایک ہو جائے، اور اُس کی خدمت کی خاطر اپنے آپ کو مخصوص کر دے - اس سے مُراد یہ ہے کہ لازم ہے کہ ایسی حد بندی مقرر کی جائے جس سے اُن تمام اشخاص کو جو خُدا کو قبول کرتے ہیں اُن اشخاص سے الگ کیا جائے جو اُس کو قبول نہیں کرتے -

چہارم - بالآخر انسان کا فرض یہ بھی ہے کہ وُہ خُدا سے اس درجہ و منزلت سے فرمانبرداری کرے جو کسی دُوسرے خداوند (آقا) کو میسّر نہیں - اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جن فرائض کا ہم ذکر کر چکے ہیں

اُن میں سے چوتھا اور سب سے عظیم فرض یہ ہے کہ اس بات کی علی الاعلان شہادت دی جائے کہ وُہ واحد خُداہی تمام جہان کا خُداوند ہے۔

یسُوع نے شریعت کی اِن چار عظیم ترین تعلیمات کو اپنی تعلیمات میں قبول کیا اور انہیں زیادہ پُرمعنی طور پر اور گہرائی کے ساتھ پیش کیا۔ اس امر کا انکشاف ہمیں یسُوع کے مندرجہ ذیل بیانات سے ہوتا ہے جو انجیلِ مُقدّس میں مندرج ہیں۔

"اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وُہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں۔"

(متی ۵ : ۱۶)

"پس تُم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔ . . . اور اُن کو یہ تعلیم دو کہ اُن سب باتوں پر عمل کریں جن کا مَیں نے تُم کو حکم دیا۔" (متی ۲۸ : ۱۹-۲۰)

"پس چاہیئے کہ تم کامل ہو جیسا تُمہارا آسمانی باپ کامل ہے" (متیؔ ۵ : ۴۸)

"محبّت رکھو . . . . . تاکہ تُم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو۔"

(متیؔ ۵ : ۴۴-۴۵)

عہدِ عتیق کے قوانین میں خُدا کا کلام ہم پر یہی فرائض صادر کرتا ہے اور جب ہم اس حقیقت کو پہچانتے ہیں کہ ان قوانین نے بنی اسرائیل کو اِن فرائض کی انجام دہی میں کس طرح مدد دی تو ہمیں یہ بات بھی سمجھ آجاتی ہے کہ وُہ قوانین کیونکر دیئے گئے تھے۔ یہ تمام قوانین تواریخ اسرائیل کے مختلف عہدوں (زمانوں) سے تعلّق رکھتے ہیں؛ اور جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں مختلف زمانوں کے مختلف قوانین میں خاص فرق محسُوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک امر ناگزیر ہے کہ فی الحقیقت وُہ قوانین

خُدا کے احکام ہیں کیونکہ خُدا اور اُس کی چیدہ قوم کے مابین ایک کارآمد اور حقیقی رشتہ قائم کرنا ہی اِن قوانین کا منصب اعلیٰ تھا۔

اوّل۔ اِن قوانین میں سے چند ایک بنی اسرائیل کی تواریخ کے اس مرحلہ سے تعلّق رکھتے ہیں جو بیابان میں مسافرانہ بُود و باش کا زمانہ تھا۔ ایسی حالت میں اُن کے لئے یہ بھُول جانا کہ اُن کی زندگی محض ایک سفر ہے سب سے اہم آزمائش تھی۔

دوم :۔ بعض قوانین بنی اسرائیل کی سکُونت پذیر حالت سے تعلّق رکھتے ہیں، جبکہ وہ مُلک کنعان میں داخل ہو گئے تھے اور زراعت کا کام کرتے تھے۔ وہاں پر اُن کی سب سے اہم آزمائش اہل کنعان کے مقامی معبُودوں بعل وغیرہ کو اپنی عبادت میں شامل کرنا تھی۔

سوم :۔ بعض قوانین تواریخ اسرائیل کے اس دَور سے تعلّق رکھتے ہیں جب ہیکل تعمیر ہو رہی تھی۔ ایسی حالت میں اس بات کی تسلّی کر لینا نہایت لازمی تھا کہ ہیکل کا طریق عبادت اور قربانی کافرانہ اعتقاد اور عمل سے مُبرّا ہے۔

اِن قوانین کا ایک چوتھا مجمُوعہ یشُوع بادشاہ کے عہد کی ایک خاص جدو جہد کا نتیجہ تھا، جو عوام کی طرزِ زندگی کو بہتر بنانے اور اُن کو باہمی محبّت اور انصاف کے فرائض کی بابت تعلیم دینے کی خاطر مرتّب کئے گئے تھے۔ بالآخر ہمیں ایسے قوانین کا بھی انکشاف ہوتا ہے جو بابل میں جلاوطنی سے یہودیوں کی واپسی پر مرتّب کئے گئے تھے۔ اِن قوانین کے مرتّب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اہل یہود ایک قوم کی حیثیّت سے متحد ہو کر رہیں اور غیر اقوام سے خلط ملط نہ ہو جائیں۔

خدا کے کام انسانی تواریخ میں خدا کے اعمال ہیں۔ خدا کے قوانین انسانی تواریخ میں خدا کے قوانین ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو مرکزی حقیقت جسے ذہن نشین کرنا ضروری ہے اور جس کا ہم نے ابتدا ہی میں ذکر کیا تھا یہ ہے:-

خدا کے قوانین خدا کے اعمال سے وجود پذیر ہوتے ہیں اور یہ قوانین مختلف تواریخی حالات میں ان تمام لازمی فرائض کو ظاہر کرتے ہیں جن کا مطالبہ خدا کے فضل اور انسان کے وسیلہ سے انسان سے کیا جاتا ہے۔

"خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔" (خروج ۲۰: ۲-۳)

"تم نے دیکھا کہ میں نے مصریوں سے کیا کیا اور تم کو گویا عقاب کے پروں پر بٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔ سو اب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو ...... تو تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے۔ کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدس قوم ہو گے۔" (خروج ۱۹: ۴-۶)

خدا کے افعال شریعت کے پیش کرنے سے قبل عمل پذیر ہوئے تھے۔ ان افعال ہی سے شریعت پیدا ہوئی اور ان ہی پر اس کا دارومدار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے افعال کے وسیلہ سے اپنی خاطر ایک قوم تشکیل کی اور اس قوم کو مسلسل طور پر اور ہمیشہ کے لئے خدا کی قوم رہنے کے قابل بنانا ان قوانین کا مقصد تھا۔ "الٰہی" یہ وہ لفظ ہے جس پر تمام مذکورہ چیزیں مبنی ہیں۔ شریعت اس غرض سے نہیں دی گئی کہ خدا کے فضل کو حاصل کرنے کے لئے انسان کی خاطر

ایک وسیلہ ثابت ہو بلکہ وہ اِس لئے دی گئی کہ خدا رحم کر چکا ہے۔ "مَیں نے تمہیں اپنی طرف بُلایا، لہٰذا تمہیں میرا حکم ماننا چاہیئے۔"

"خدا کی قوم" کا خیال بائبل کی تمام تعلیم کا مرکزی خیال ہے لیکن اب ہمیں اس خیال سے ترقی کر کے ایک اَور اہم اَور گہرے سوال پر غور کرنا ہے۔ ہم نے عہدِ عتیق میں خدا کے کلام پر دو صُورتوں یعنی خبر اَور شریعت پر غور کیا ہے اَور اِن دونوں صورتوں میں خدا کی قوم سے مُراد تمام بنی نوع انسان تھے نہ کہ ایک خاص قوم۔ ہم نے خدا اَور انسان کا ذکر کیا ہے نہ صرف خدا اَور بنی اسرائیل کا۔ ہم نے خدا اَور انسان کا تذکرہ کیا ہے نہ کہ محض خدا اَور بنی اسرائیل کا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یُوں خیال آرائی کرنے میں ہم حق بجانب ہیں؟ کیا یہ ترجمانی از روئے قانون درست ہے؟ ہاں! یہ بالکل درست ہے، کیونکہ کتابِ مقدس اِس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جو کام خدا نے بنی اسرائیل کی خاطر کئے وہ درحقیقت تمام بنی نوع انسان کی خاطر کئے کیونکہ اُس نے تمام اقوام کے لئے بنی اسرائیل کو اپنا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ خدا بنی اسرائیل سے جو کچھ توقع رکھتا تھا وہی توقعات وہ اُن تمام اُمتوں سے بھی رکھتا تھا، جنہیں اُس نے اپنی بادشاہی کو بنی اسرائیل کے ساتھ تصرّف میں لانے کی دعوت دی تھی۔

بہت سی اُمتیں آئیں گی اَور کہیں گی آؤ خداوند کے پہاڑ پر چڑھیں یعنی یعقوب کے خدا کے گھر میں داخل ہوں اَور وہ اپنی راہیں ہم کو بتائے گا اَور ہم اُس کے راستوں پر چلیں گے۔" (یسعیاہ ۲: ۳)

پس ایک طرف ہم پر یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ ہم اس خبر اور شریعت کا مطالعہ کرتے وقت اُس زمانے کے ماحول کو مدِ نظر رکھیں جس زمانے میں وُہ زبانی یا تحریری صُورت میں تشکیل کیے گئے تھے۔ دُوسری طرف اس خبر اور شریعت کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں اس بات کا تصوّر کرنا لازم ہے کہ وُہ انسانوں کو انسان کی حیثیّت سے بلاواسطہ طور پر خطاب کیے گئے تھے۔ بنی اسرائیل کو ہی نہیں بلکہ دُنیا کے اُن تمام لوگوں کو اُس خاص جماعت میں شمولیّت کی دعوت دی گئی ہے جو انسان کی خاطر خُدا کے تمام کاموں کے معیار تک پہنچنے کی جستجو کرتی ہے، اور اِن فرائض کو سرانجام دینا چاہتی ہے جو خُدا انسان سے توقع کرتا ہے۔

خُدا کی بُلاہٹ پر انسان کے اس جواب اور خُدا کی بلاہٹ کے قابل بننے کی اس خواہش کو کتابِ مُقدّس "ایمان" کے نام سے موسُوم کرتی ہے۔ چنانچہ جس تیسری صُورت میں ہمیں خُدا کا کلام پُرانے عہد نامے میں ملتا ہے، وُہ ایمان ہے جہاں ہمیں حقیقی ایمان کی بابت تعلیم دی گئی ہے۔ عہدِ عتیق میں ہمیں ایمان کا ایک سلسلہ وار بیان ملتا ہے، جس میں کہانیوں کا وُہ بیش بہا خزانہ ہے جو اُس ایمان کی فطرت کو ہمارے سامنے قطعی طور پر صاف و صریح کر دیتا ہے۔ اس طرح عہدِ عتیق ہمیں ایمانداروں کی اُس جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے، جنہوں نے خطرہ و مصیبت، ظلم و تشدّد، شک و شبہ اور آزمائش کی تلخ گھڑیوں میں بھی اپنے خُدا پر ایمان قائم رکھا۔

اپنی تواریخ میں اس ایمان کو پختگی سے قائم رکھنا بنی اسرائیل کے واسطے کوئی آسان کام نہ تھا۔ بارہا انہیں غیر معبودوں کی عبادت کرنے کی آزمائش بہت خوش گوار اور آسان محسوس ہوتی، کیونکہ وہ معبود اُن سے اُن کے خداؤں کی انجام دہی کا بہت کم مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن خدا اپنی قوم کو یوں عدم ایمان کی حالت میں ہرگز نہیں چھوڑتا۔ پس بارہا خدا نے انہیں اُن کی اصل حالت اور قدر و منزلت پہچاننے کی غرض سے اُن کی یاد تازہ کی۔

"کیا کسی قوم نے اپنے معبودوں کو حالانکہ وہ خدا نہیں بدل ڈالا؟
پر میری قوم نے اپنے جلال کو بے فائدہ چیز سے بدلا۔
خداوند فرماتا ہے اَے آسمانو! اس سے حیران ہو۔ تشدد سے تھرتھراؤ اور بالکل ویران ہو جاؤ۔
کیونکہ میرے لوگوں نے دو بُرائیاں کیں۔
اُنہوں نے مجھ آبِ حیات کے چشمہ کو ترک کر دیا،
اور اپنے لئے حوض کھودے ہیں۔
شکستہ حوض جن میں پانی نہیں ٹھہر سکتا۔"

(یرمیاہ ۲: ۱۱-۱۳)

انبیا خدا کے چوکیدار تھے جو پہرے پر متعین رہتے تھے اور اپنی قوم کے ایمان کی نگہبانی کرتے تھے۔ چنانچہ جب اُس ایمان کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو وہ خطرے کا نرسنگا پھونک دیتے۔ لیکن عہدِ عتیق کے اوراق کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں نہ صرف نرسنگے کی آوازیں سُنائی دیتی ہیں جو خطرے کے ایام میں گونجتی تھیں بلکہ ہمیں ایسی دیگر خاموش صدائیں

کا انکشاف بھی ہوتا ہے جو ان ایام کی داستان سُناتی ہیں، جب خُدا کی قوم کا ایمان پختہ اور یقینی تھا۔ ایسے ہی مقامات پر ہمیں ایسے گیت اور نغمات کا سُراغ ملتا ہے جو خُدا کی عبادت کرتے وقت جماعت گایا کرتی تھی اور اِن دُعاؤں کا انکشاف ہوتا تھا جو ایک رُوح خُدا سے کُشتی کرتے ہُوئے نظر آتی تھی۔ وہاں ہمیں ایک مفکّر کے گہرے خیالات ملتے ہیں جو دُکھ اور تکلیف کے راز کا حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نیز ہمارے کانوں تک ایسے شکستہ دل کی آہ و فغاں کی آواز آتی ہے جو خُدا کے حضُور اپنے اندوہ و غم کی داستان سُناتا ہے۔ وہاں ہمیں تباہی و بربادی سے متعلّق ایسی ہیبت ناک رویات کا انکشاف ہوتا ہے، جب کبھی ہم بدکاری کو ہلکی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں اس مُنادی کی دل شکستہ ہنسی بھی سنائی دیتی ہے جو ہماری خاطر زندگی کا ایسا نقشہ رنگتا ہے جس میں خُدا غیر موجُود ہے۔ یہ سب مشاہدات اِن اوراق ہی میں ہیں۔ یہ گویا ایمان کے مختلف پہلوؤں اور صُورتوں کی ایک تصویر ہے۔

جن مختلف شکلوں میں ہمیں خُدا کا کلام عہد عتیق میں ملتا ہے، اِن ہی شکلوں میں خُدا کا کلام ہمیں عہد جدید میں بھی ملتا ہے۔

نئے عہد نامے میں بھی سب سے پہلے ایک خبر ہے یعنی کلام کے مجسّم ہونے کی خبر۔ اس کے بعد شریعت ہے جو ایک مسیحی فرد اور مسیحی جماعت کی طرزِ زندگی کی بابت تعلیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور تیسری چیز ایمان ہے۔ یہ شریعت اور انجیل کی تعلیم پر انسان کے عمل کرنے کی داستان ہے جو نوزائیدہ کلیسیا کا اپنے خُداوند کی

گواہی دینے کا بیان ہے اور جو ان لوگوں کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے جو اس جہان میں انسانی زندگی کی بابت اور موت کے بعد نئی زندگی کی اُمید کی بابت یسُوع کی تعلیمات کی گہرائیوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی ایمان کی جھلک ہمیں یُوحنا رسُول کی عجیب و غریب تصویر (مکاشفہ) میں ملتی ہے، جس نے اپنی آنکھوں سے گُناہ اور بدکاری کے خلاف خُدا کی مسلسل جنگ میں خُدا کی کامل اور قطعی فتح کو دیکھا تھا۔

خُدا کا کلام ایمان کے لئے خوراک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش ہم نے اب تک کی ہے۔ آئیے ہم اپنے مطالعہ کے اختتام پر اُس شخصیت کو یاد کریں جو خود کلام (کلمہ) تھا اور جو کتاب مقدس کے الفاظ پر اپنی زندگی کی پرورش کرتا تھا۔ اپنے بپتسمہ کے موقعہ پر یسُوع نے زبور نویس کے نغمہ میں اپنی بلاہٹ کے اصل معنی کو معلوم کیا۔ اس نغمہ میں خدا اپنے بیٹے سے یُوں وعدہ کرتا ہے۔

"تُو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مُجھ سے پیدا ہُوا۔ مُجھ سے مانگ اور مَیں قوموں کو تیری میراث کے لئے تجھے بخشوں گا۔"

(زبُور ۲: ۷-۸، لُوقا ۳: ۲۲)

جب یسُوع کو شیطان نے بیابان میں آزمایا تو یسُوع نے جواب میں خُدا کے اس حُکم کو دُہرایا جو خُدا نے بنی اسرائیل کو بیابان میں سفر کے دوران دیا تھا۔

"تُو خُداوند اپنے خُدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر۔"

(لُوقا ۴: ۸، استثنا ۶: ۱۳)

مُنادی کرتے وقت یسُوع نے اپنے کارِ عظیم کی رویا کو خُداوند کے خادم کی رویا سے روشن رکھا جو یسعیاہ نبی نے دیکھی تھی۔

"خُداوند کا رُوح مجھ پر ہے اس لئے کہ اُس نے مجھے مسح کیا۔" (لُوقا ۴: ۱۸، یسعیاہ ۶۱: ۱)

اُس وقت جب یسُوع اپنی صلیب کی طرف بڑھا تو اُس نے کتابِ مُقدّس کے الفاظ میں صلیبی موت کے معنی کو سمجھا۔ وہاں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ خُدا کا خادم بدکاروں میں گِنا جائے گا۔ (لُوقا ۲۲: ۳۷؛ یسعیاہ ۵۳: ۱۲) کیونکہ یسُوع نے فرمایا

"اس لئے کہ جو کچھ مجھ سے نسبت رکھتا ہے وہ پُورا ہوتا ہے۔"

اور بالآخر جب یسُوع صلیب پر لٹکا ہُوا تھا اور اُس نے گُناہ کی انتہائی قیمت اپنے لہُو سے ادا کر دی تھی اُس نے اس زبُور کے الفاظ میں خُدا کو پُکارا جو بے دلی اور مایُوسی کے کلمات سے شروع ہوتا ہے۔

"اے میرے خُدا! اے میرے خُدا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

لیکن جو فتح کے نعرے سے ختم ہوتا ہے کہ:۔

"ساری دُنیا خُداوند کو یاد کرے گی اور اُس کی طرف رجوع لائے گی اور قوموں کے سب گھرانے تیرے حضُور سجدہ کریں گے۔"

(زبُور ۲۲: ۱، ۲۷؛ مرقس ۱۵: ۳۴)

جب ہم ایمان کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں تو یہی یسُوع ہمارا ساتھی ہوتا ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ جب وہ راہ میں ہم سے باتیں کرتا ہے اور ہم پر نوشتوں کا بھید کھولتا ہے تو ہمارے دلوں میں بھی جوش بھر جاتا ہے۔ (لُوقا ۲۴: ۳۲)

باب چہارم

زِندہ کلام

"خُدا کا کلام زندہ اَور مؤثر اَور ہر ایک دو دھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے اَور جان اَور رُوح اَور بند بند اَور گُودے کو جُدا کرکے گُذر جاتا ہے اَور دِل کے خیالوں اَور ارادوں کو جانچتا ہے اَور اس سے مخلوقات کی کوئی چیز چھپی نہیں بلکہ جس سے ہم کو کام ہے اُس کی نظروں میں سب چیزیں کُھلی اَور بے پردہ ہیں"۔
(عبرانیوں ۴: ۱۲-۱۳)

"خُدا کا ہر ایک سُخن پاک ہے
وُہ اُن کی سپر ہے جن کا توکّل اُس پر ہے۔
تُو اُس کے کلام میں کچھ نہ بڑھانا
مُبادا وُہ تجھ کو تنبیہ کرے اَور تُو جُھوٹا ٹھہرے"۔
(امثال ۳۰: ۵-۶)

ایمان کی زندگی کی پرورش کی خاطر خُدا کا کلام خوراک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایمان کی زندگی خُدا کے کلام کے وسیلہ پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ کلام کرنے والے خُدا ہی کی پاک ذات سے ہماری زندگی

کا سروکار ہوتا ہے۔ لہٰذا کتابِ مقدس کو سُننے کا واحد طریق صرف یہ ہے کہ ہم اسے اُس خدا کا کلام تصور کر کے سُنیں جو ہم سے ملنے کی غرض سے زمین پہ آیا اور جس نے یسوع مسیح میں ہمیں اپنایا۔ پس جب ہم کتاب مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارا تعلق یسوع سے ہوتا ہے۔

اس بات سے میرا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کتاب مقدس کے وسیلہ سے ہم سے آج اُسی موقعہ پر کلام کر رہا ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم نہ صرف ہر وقت اُن اشخاص کی طرف اپنا دھیان لگائیں جن سے یا جن کی بابت وُہ الفاظ کہے گئے تھے بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی نظروں کو خدا کی طرف اُٹھائیں اور اپنے دلوں میں یہ سوال کریں کہ "خدا مجھ سے اس گھڑی کیا کہہ رہا ہے؟" اس لئے کہ پاک نوشتہ کا ہر پیرا (حصہ) اوّل ایسا کلام ہے جو زمانہ قدیم میں کسی خاص تواریخی حالت میں کہا گیا تھا اور دوم وُہ اس مطالعہ کنندہ کے لئے زندہ کلام ہے جو اس کے خاص حالات کے پیشِ نظر دورِ حاضرہ میں کہا گیا۔ ہم کیا ہی جلدی اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ خدا ہم سے اور ہم اُس سے ہر وقت کلام کرتے رہتے ہیں اور جب ہم کتاب مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو درحقیقت یہ مطالعہ اُس گفتگو کا ایک جزو ہوتا ہے جو ہمارے اور خدا کے مابین ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔

اس بات کی سچائی محض نئے عہد نامے کے مطالعہ ہی پر مبنی نہیں، بلکہ یہ بات صحیح ہے کہ جب ہم پرانے عہد نامے کو بھی پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے کلام کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں عہد نامے

(عہد جدید و عہدِ عتیق) یسوع مسیح کی بابت
ہیں اور اُس ہی کی پاک ہستی سے اِن کا وجود قائم ہے۔ دونوں
عمانوایل یعنی خُدا ہمارے ساتھ کے مرکزی راز سے تعلق رکھتے
ہیں۔ یسوع نے کہا:۔

"تم کتابِ مُقدّس میں ڈھونڈتے ہو کیونکہ سمجھتے ہو کہ
اس میں ہمیشہ کی زندگی تمہیں ملتی ہے اور یہ وہ ہے
جو میری گواہی دیتی ہے۔ پھر بھی تم زندگی پانے کے
لئے میرے پاس آنا نہیں چاہتے۔" (یُوحنّا ۵: ۳۹، ۴۰)

یہ ایک فیصلہ کن حقیقت ہے کہ پاک نوشتے کس کی بابت گواہی
دیتے ہیں اور اپنی حدود سے پرے کس شخصیت کی طرف
اشارہ کرتے ہیں۔ لٰہذا ہم کتابِ مقدّس کے کسی بھی اقتباس کو
اُس وقت ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، جب ہم اُس کے لفظی پیغام
سے پرواز کرکے اُس منزل کی طرف دھیان لگاتے ہیں، جس کی
جانب وہ اقتباس اشارہ کرتا ہے۔ جن پاک نوشتوں کا یسوع
نے ذکر کیا وہ عہدِ عتیق کی کُتب تھیں۔ عہدِ عتیق اور عہدِ جدید میں
وحدت پیدا کرنے والا امر یہ ہے کہ عہدِ جدید جس واقعہ کا زمانہ
حال میں اعلان کرتا ہے، اسی کی بابت عہدِ عتیق زمانہ مستقبل
میں اشارہ کرتا ہے۔

آیئے اب ہم اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ عہدِ عتیق
دراصل عہدِ جدید کی تیاری تھی۔ فی الحال ہم اس بات کو اگلے باب

کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس مرحلہ پر ہم کتاب مُقدّس کی وحدت سے پیدا ہونے والے ایک اَور نتیجہ پر ذرا غور و خوض کریں گے۔

ہمیں یہ دعوت دی گئی ہے کہ ہم کتابِ مُقدّس کو بار بار پڑھیں حتیٰ کہ ہم محسوس کریں کہ وُہ کلام خُداوند یسُوع مسیح کی زبان پاک سے ہمارے کانوں تک پہنچ رہا ہے۔ چونکہ تمام پاک نوشتے مسیح خُداوند کی بابت ہیں لہٰذا جب ہم اُن کا مطالعہ کرتے ہیں تو وُہ ہمارے لئے اُس کا کلام بن جاتا ہے۔

پس ہمیں کتاب مُقدّس کے الفاظ کو یسُوع مسیح کے الفاظ تصوّر کرکے اُنہیں سُننا چاہیئے، کیونکہ اُس ہی کی پاک ہستی سے ہمارا واسطہ ہے۔

جب عہد عتیق کی متعدد کُتب کو اکٹھا کرکے ایک کتابی صُورت میں جمع کیا گیا تو اِن کُتب کو یکجا کرنے والوں نے ہر ایک کتاب کی بابت یُوں سوال کیا:۔ "کیا یہ کتاب ہمارے ہاتھوں کو ناپاک تو نہیں کرتی؟" اس سوال سے اُن کی مُراد یہ تھی کہ کوئی بھی گُناہگار انسان اپنی ناپاکیزگی کو محسُوس کئے بغیر مُتبرک کتاب کو ہرگز ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اگر یُوں کر بھی دے تو وُہ اس سے پیدا ہونے والے تجربے کا آمنا سامنا کرنے کے قابل نہ ہوگا۔ یہی خیال اس قاعدہ کے پس منظر میں بھی کم و بیش موجُود تھا کہ مُتبرک پوشاک پہننے اَور قربانی چڑھانے کے بعد لازم تھا کہ سردار کاہن غُسل کرے تاکہ وُہ آلُودگی سے پاک ہو جائے۔ وقت سے پہلے چاہے کتنی صفائی کیوں نہ کی جائے، سردار کاہن کو اُس کے فرائض کی انجام دہی کے قابل نہ بنا سکے گی (احبار ۱۶: ۴ و ۲۴) پاکیزگی کی

موجودگی میں آسودگی کا احساس کچھ ایسا احساس ہے جس کا تجربہ ہمیں کتاب مقدس کے مطالعہ سے بھی ہوتا ہے، کیونکہ ہمیں اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ کتاب مقدس دیگر کتب سے اس واسطے مختلف ہے کیونکہ اس میں ہم خدا کے رُوبرُو موجود ہوتے ہیں۔ کتاب مقدس خدا کی بابت کوئی علمی کتاب نہیں، اس کے برعکس وہ ایسا مقام ہے جہاں خدا ہم سے ملاقات کرتا ہے۔

لیکن کتاب مقدس کے مطالعہ کے دوران خدا سے اتصال حاصل کرنا ہمارے لئے کوئی آسان کام نہیں۔ جب ہم اس کے الفاظ کو سنتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کی بیشتر تعلیم ایسے الفاظ اور طریق خیال سے ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہے جس سے ہم بالکل ناواقف اور بیگانہ ہیں۔ علاوہ بریں ایک اور بات یہ ہے کہ انسان کے بہترین الفاظ اور وضع کلام نہ ہی کامل تھے اور نہ ہی اِن میں کوئی عظمت تھی کہ خدا کی بابت اِن تمام عظیم حقائق کو صفائی سے بیان کرسکیں جنہیں کتاب مقدس کے مصنفین نے ہم تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ہماری تمام تر کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ مطالعہ کے وقت اِن الفاظ اور وضع تحریر کی حدود کو عبور کریں اور اِن کی گہرائی میں خدا کے کلام کو تلاش کریں۔ چند سال ہوئے جب مَیں جنیوا میں رہائش پذیر تھا تو میرے دو سالہ لڑکے کو برفباری دیکھنے کا پہلی دفعہ اتفاق ہوا۔ وہ باہر سے دوڑتا ہوا آیا اور گھر میں داخل ہوکر زور زور سے پکارنے لگا:۔ "ابا جان! کوئی شخص پھول پھینک رہا ہے"۔ اس لڑکے کا بیان ہرگز درست نہ تھا لیکن وہ اپنے طریق سے ایک ایسی بات بتا رہا تھا

جو حقیقتاً واضح ہو رہی تھی۔ بعض لوگ جب بائیبل پڑھتے وقت اس قسم کا فقرہ پاتے ہیں کہ "کوئی شخص پھول پھینک رہا ہے" تو فی الفور اپنے دلوں میں کہتے ہیں۔ "چونکہ بائبل کا کلام سچا ہے، لہٰذا کوئی شخص ایسا ضرور ہوگا جو پھول پھینکا کرتا تھا۔" بعض اس فقرے کو پڑھ کر یوں کہتے ہیں۔ "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اُس وقت پھول پھینک رہا ہو۔ لہٰذا بائبل کسی بھی طرح سے سچی نہیں ہم اسے پڑھنے کی کیوں زحمت اُٹھائیں۔ آؤ ہم کسی اَور کام میں اپنا دھیان لگائیں"۔ دونوں مطالعہ کنندگان اس محاورے کے لفظی معنی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اِن دونوں میں سے کسی کو اس بات کا ذرا سا بھی خیال نہیں کہ فقرہ "کوئی شخص پھول پھینک رہا ہے" اس بات کو تشبیہاً بیان کرنے کا ایک خوبصورت طریقہ ہے کہ "برف باری ہو رہی ہے"۔ چنانچہ اِن میں سے کوئی بھی ایسے مرحلہ پر کتابِ مُقدس کے اصل مفہوم کو بھی نہیں سمجھ پاتا۔

کتابِ مُقدس ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم یسوع مسیح میں خدا سے میل ملاپ کریں۔ نیز ہمارا سروکار خُدا کی بابت اِن لوگوں کے قدیمی نقطۂ نظر سے نہیں۔ اِن میں سے بعض خیالات بالکل اُدھورے تھے اور خُدا کا یہ ارادہ تھا کہ وُہ اپنی ذات پاک کی حقیقت کو اُن پر بتدریج مُنکشف کرے۔ اگر ہم خُدا کی بابت زمانۂ قدیم کے خیالات پر اپنے تصوّرات کی بُنیاد رکھیں تو یہ بڑی بھاری غلطی ہوگی۔ ہم سے یہ ہرگز توقع نہیں کی گئی۔ ہمیں اس بات کی خاص تاکید کی گئی ہے کہ ہم یسوع مسیح کی رفاقت میں کتابِ مقدس کا مطالعہ کریں اَور

اُس وقت تک اپنے خداوند کے ساتھ انتظار کرتے رہیں، جب تک بائبل کے الفاظ ہماری خاطر یسوع مسیح کے الفاظ میں تبدیل نہیں ہو جاتے۔

خُدا نے ابرہام سے کہا "تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے ساتھ لے کر جا اور اُسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔" (پیدائش ۲۲ : ۲)

ابرہام نے خدا کے حکم کو سُنا اور اس کی تعمیل کی۔ لیکن بائبل کی یہ کہانی خُدا کا کلام اس لئے نہیں کہ وہ ہمیں خُدا کی بابت ابرہام کے خیالات سے آگاہ کرتی ہے بلکہ وہ اس وجہ سے خُدا کا کلام ہے، کیونکہ ابرہام سے خدا کا کلام اور ابرہام کی فرمانبرداری ہماری زندگی کے مختلف حالات میں ہم پر خُدا کی مرضی کو ظاہر کرتی ہے۔

میں آپ کی خدمت میں دو مثالیں پیش کروں گا۔ پہلی کہانی برّاعظم افریقہ کی بابت ہے اور وہ ایک مختصر سی کتاب بنام "افریکن انجلس"[1] میں سے اخذ کی گئی ہے۔ اس کتاب میں قلمی تشبیہات کا ایک سلسلہ وار مجموعہ ہے اور ہر ایک کہانی کے اختتام پر ایک دُعا مندرج ہے۔ ذیل میں ایک کہانی اور دُعا ہے جس کا میں حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

مُکابہ نے بڑے زور سے بوٹ پالش کی ڈبیہ میں تھوکا۔ یہ ایک ایسا کرتب تھا جو اُس نے پہلی عالمی جنگ کے دوران اپنے فوجی دستے میں سیکھا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اُس کے آقا کے جُوتے دوپہر کی سکاؤٹ پریڈ میں تمام افسروں کے جُوتوں سے زیادہ چمکدار ہوں۔ اِن جُوتوں کو وہ اس قدر چمکاتا کہ وہ سُورج کی روشنی میں چمکائے ہُوئے پیتل کی مانند چمکتے

---

[1] AFRICAN ANGELUS BY MERFYN M. TEMPLE (EDINBERGH HOUSE PRESS)

تھے۔ یہ ایک طریقہ تھا جس سے وُہ اپنے آقا پر اپنی محبّت کا اظہار کرتا تھا۔ وُہ خط لکھنا نہ جانتا تھا، کیونکہ کسی نے اُسے پڑھانے اور لکھانے کی زحمت ہی گوارا نہ کی تھی اور اب بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے لئے پڑھنا مُشکل تھا۔ لیکن مکابہ نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تدریس کا خاطر خواہ اہتمام کر لیا تھا۔ اُس کے لڑکے نے پڑھائی میں بڑی ذہانت کا مشاہدہ کیا تھا۔ اگلے ہفتے اُس لڑکے نے سکول کے آخری سرکاری امتحان میں بیٹھنا تھا۔ اُس نے اپنے باپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وُہ خُدا کی خدمت کی غرض سے کلیسیا کا پاسبان بننا چاہتا ہے، لیکن اُسے مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ ایسی صُورت میں اُسے مزید تعلیم و تدریس درکار تھی، اور اب مکابہ روز بروز کمزور ہو رہا تھا اور وُہ اُس دِن کی آس لگائے ہُوئے تھا جس دن اُس کا لڑکا اسکُول کی تعلیم ختم کر کے گاؤں میں اُس کے لئے گھر بنائے گا۔ اگر اُس کا اپنا بیٹا اپنے والدین کی دیکھ بھال نہ کرے تو دُنیا کا کوئی شخص اُن کی دیکھ بھال نہ کرے گا اور مکابہ نے اِس حقیقت کو بڑی ہوشیاری سے اپنے بیٹے کے دِل میں بٹھا رکھا تھا۔

"لیکن گذشتہ اتوار کو مکابہ نے جب ابرہام اور اضحاق کی کہانی پاسبان کی زبانی سُنی تو اُس کے خیالات میں اہم تبدیلی رُونما ہوگئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کہانی کو بیان کرتے وقت پاسبان کی آنکھیں مکابہ سے ایک بار بھی دوچار نہ ہُوئیں۔

مگر نہ معلُوم کس طرح پاک کلام کے الفاظ اُس کے کانوں سے گذر کر اُس کے دِل میں جا پذیر ہونے لگے۔ اُس نے لاکھ تدابیر کیں لیکن وُہ اِن

الفاظ کو اپنے دِل میں سے خارج کرنے سے قاصر رہا۔ اس ضعیف العُمر شخص کے لئے وُہ الفاظ گراں تھے۔ اُس نے اب تک اپنی تنخواہ میں سے کچھ روپیہ پیسہ نہ جمع کیا تھا بلکہ اُس کی تمام تنخواہ اُس کے بیٹے کی تعلیم و تدریس میں صرف ہو چکی تھی۔ بس اب تو اس دُنیا میں بُوڑھے والدین کی واحد اُمید اُن کا بیٹا تھا۔ لیکن وقت تھا کہ وُہ اپنے بیٹے کے مُستقبل کی بابت فیصلہ کرنے سے گریز نہ کرے۔ حسب دستُورِ خاندان کے بُزرگ ارکان نوجوانوں کے پیشے کی بابت فیصلہ کرتے تھے۔ مکابہ کی کم و بیش خواہش تھی کہ اُس کا بیٹا خود بخود اپنے مُستقبل اُور ذرائع معاش کی بابت سوچے اُور معاشرے کے عام دستُور کو بالائے طاق رکھ دے۔ لیکن وُہ لڑکا بچپن ہی سے بڑا فرمانبردار تھا۔ اگر وُہ اپنے باپ کو یُوں کہتے ہُوئے سُنتا کہ "اے بیٹے۔ دیکھ! مَیں نے اپنا تمام سرمایہ تیری تعلیم و تدریس میں صرف کر دیا ہے، اب تیری باری ہے کہ تو مُجھے میری ضعیفی کے ایّام میں سہارا دے جب تک مَیں مر نہ جاؤں"۔ تو وُہ لڑکا اپنے باپ کے حُکم پر عمل پیرا ہوتا۔

"چنانچہ مکابہ نے یُوں دُعا مانگی :-

"اَے آسمانی باپ! مَیں تیرا شُکر کرتا ہُوں کہ جس دِن سے تُو نے مُجھے قبُول کیا تھا اُس دِن سے لے کر آج تک تُو نے میرے ساتھ اپنے بیٹے جیسا سلُوک کیا ہے۔ مَیں التجا کرتا ہُوں کہ مُجھے اپنے بیٹے کا معاملہ طے کرنے کے لئے دانائی بخش۔ اگر اُسے تیری کلیسیا کی خدمت کرنا لازم ہے تو اَے خُدا مُجھے بتا کہ ضعیفی کے ایّام میں میرے لئے تیرا کیا انتظام ہوگا۔ اَے خُداوند مُجھ میں ابرہام کے برابر ایمان نہیں

میں ایسی ناقابلِ برداشت آزمائش کا کس طرح سامنا کروں گا؟ مجھ میں اتنی رُوحانی طاقت نہیں کہ خوشی خوشی اپنے اکلوتے بیٹے کو تیری خدمت کے لئے چھوڑ سکوں۔ اے مسیحی میرے قصوروں کو مُعاف کر اور مجھے تھوڑا سا وقت دے۔ میرے دِل کو اپنے نُور سے چمکا دے جس طرح میں ان غلیظ جُوتیوں کو چمکاتا ہُوں۔ پھر جو نُور تو میرے دِل میں منوّر کرے گا، اُسے میں تیری طرف منعکس کر دوں گا۔

یہ کہانی کیا ہی خوبصورت پیرایہ میں اس حق کو واضح کر دیتی ہے کہ خُدا کا کلام انسان کے جسم سے گذر کر جان اور رُوح تک اثرانداز ہوتا ہے۔

میری دُوسری مثال میرے ذاتی تجربات میں سے اخذ کی گئی ہے۔ ایک دن میں اپنی ایک واقف کار عورت کو ملنے گیا ہُوا تھا جس کا لڑکا سخت بیمار تھا۔ میں نے اُس کے لڑکے کی حالت دریافت کی اور اُس کے ساتھ مل کر دُعا کی۔ لیکن جب میں روانہ ہونے لگا تو اُس عورت نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "آپ جانتے ہیں کہ مجھے اپنے بیٹے کی بابت ذرہ سی بھی تشویش نہیں۔ خُدانخواستہ اگر میرا دُوسرا لڑکا بیمار ہوتا تو مجھے ضرور فکر اور پریشانی ہوتی"۔ میں اس کی بات نہ سمجھ سکا۔ چنانچہ میں نے اُس سے درخواست کی کہ وہ اپنے بیان کی وضاحت کرے۔ اُس نے مجھ سے کہا "چند برس ہوئے میرا سب سے بڑا لڑکا ہسپتال میں سخت بیمار پڑا تھا۔ ڈاکٹر صاحب تو اُس کی جان بچانے کی اُمید بھی کھو بیٹھے تھے اور میں نے جب اُسے سانس کے لئے تڑپتے دیکھا تو میں بھی اُس کی تکلیف نہ دیکھ سکی

اُور بغل والے وارڈ میں داخل ہو کر خاموشی سے رونے لگی لیکن جس لمحہ میں اُس کمرے میں اپنے بیٹے کے سانس کی آواز سُن کر بے قابو آنسو بہا رہی تھی ، اچانک کوئی آواز مجھے یہ کہتے سُنائی دی "اَے عورت اپنے بیٹے کو جس سے تُو محبّت رکھتی ہے لے اُور میرے حضور قربان کر" میں نے بے ساختہ جواب دیا "تیری مرضی پُوری ہو اَے خُداوند" اُور فی الفور مجھے محسُوس ہُوا جیسے میرے دِل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے ۔ میں فوراً اُٹھی اُور اپنے بیٹے کے پلنگ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی ۔ اب میں اُسے رُخصت کرنے کو تیار تھی اُور ایسا ہُوا کہ وُہ لڑکا نہ مرا ، اُور ایک عجیب طرح سے اُس کی حالت دِن بدن بہتر ہوتی گئی ۔ اب اگر یہ بیمار پڑ بھی جائے تو مجھے کوئی فکر اُور تشویش نہیں ہوتی ۔ اِس بچّے کو میں نے ایک خاص طریقہ سے خُدا کے حوالے کر دیا ہے"۔

جو الفاظ خُدا نے ابرہام سے کہے تھے وُہی الفاظ یسُوع مسیح نے اُس ماں سے کہے تھے اُور اِس عورت کی تمام زندگی میں وُہ الفاظ اُس کے ایمان کی پرورش میں خوراک کی حیثیت رکھتے تھے ۔

جب ہم ابرہام اُور اضحاق کی کہانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ممکن ہے کہ ہم اس بات پر حیران ہوں کہ بھلا ابرہام کو کیونکر یہ خیال آ سکتا تھا کہ خُدا اُس کے بیٹے کی قُربانی طلب کرے گا ۔ اس خیال کو سمجھنے کی خاطر ہمارے لئے بہتر ہو گا اگر ہم اس بات کو مدِّ نظر رکھیں کہ جس قوم میں ابرہام رہتا تھا ، وُہ لوگ اپنے معبُودوں کے آگے اپنے بیٹوں کی قُربانی چڑھاتے تھے ۔ ہم اس تشریح کے پیشِ نظر یہ

ایمان قائم کر سکتے ہیں کہ خُدا ایسا خُدا ہے جو اپنے فرزندوں کو بھی اس طور پر آزماتا ہے۔ لیکن ان تمام تشریحات کے باوجود عہد عتیق کی یہ داستان صرف اس حالت میں ہمارے لئے خُدا کے کلام کی صُورت اختیار کرتی ہے، جب وُہ یسُوع مسیح کی زبانِ پاک سے ہمیں خطاب کی جاتی ہے۔ مکابہ نے بھی اس کہانی کو یسُوع کی زبانی سُنا اور وُہ اس پر فرمانبردار رہنے کے لئے ذاتی کشمکش میں گرفتار ہو گیا۔ اس ماں نے بھی اس داستان کو یسُوع کی زبانی سُنا اور اپنی دُکھ بھری آزمائش کے وقت بھی ایمان کی مضبُوطی کا وسیلہ پایا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خُدا کا کلام وُہ بُنیاد ہے، جس پر ایمان نشو و نما پاتا ہے اور جس کی بدولت ایمان انسانی زندگی میں پیدا ہوتا ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ عہد عتیق میں علم الٰہی کی ترقّی کا مسئلہ موجُود ہے۔ ابرہام ہر ایک ہرے بھرے درخت کے تلے خُدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس دستُورالعمل کو یُوسیاہ بادشاہ نے بعد ازاں غیر موزوں قرار دیا تھا (پیدائش ۱۲ : ۶، ۱۳ : ۱۸، استثنا ۱۲ : ۲، ۲-سلاطین باب ۲۳) داؤد بادشاہ کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام معبُودوں میں سے صرف بنی اسرائیل کا خُدا ہی واحد خُدا تھا۔ اس اعتقاد کو یرمیاہ نبی نے بعد ازاں غلط قرار دیا تھا۔ (۱-سموئیل ۲۶ : ۱۹، یرمیاہ ۵ : ۷) الیشع نبی نے اس بات کو جائز جانا کہ یاہو اخی اب کے گناہ کی وجہ سے اُس کے تمام گھرانے کو نابود کر دے۔ ہوسیع نبی نے بعد ازاں اس حرکت کو بد قرار

دیتے ہُوئے اِس کی سخت مذمت کی۔ (۲۔سلاطین ۹:۱-۱۰:۱۱)
ہوسیع ۱:۴) یہُودی قوم کو غیر قوموں کے اثرو تاثر (ان کے مابین مخلوط شادی وغیرہ) سے محفوظ رکھنے کے پیشِ نظر عزرا نے چند قوانین مرتب کئے تھے۔ رُوت کی کتاب کے مصنّف نے اِن قوانین کی سخت مخالفت کی تھی۔ (عزرا ۹:۲؛ روت ۱:۴) لیکن جب تک ہم عہدِ عتیق کو محض تواریخ تصوّر کر کے اُس کا مطالعہ کرتے ہیں، جس میں خُدا کی بابت انسان کے خیالات کی تاریخ ہے، ہم اُس منزل تک ہرگز نہیں پہنچتے جہاں کتابِ مُقدّس خُدا کا کلام بن کر ہم سے مخاطب ہوتی ہے۔ اِن مثالوں کا صحیح مفہوم اُس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ خُدا اُن اشخاص کے دِلوں کے کتنا قریب آرہا تھا اور اُن کی زندگیوں سے کون کون سے مطالبات کر رہا تھا اور وُہ لوگ اُس کے مطالبات کا کس طرح سے جواب دیتے تھے۔ ابرہام کا تصوّرِ خُدا انجیلی تصوّر نہیں مگر اُس کی فرمانبرداری پاک نوشتہ ہے۔ خُدا کے مسکن کی بابت داؤد بادشاہ کا خیال پاک نوشتہ نہیں مگر خُدا کے لئے اُس کی بھوک پاک نوشتہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ الیشع کا انتقام پاک نوشتہ نہیں مگر جھوٹے معبُودوں کی پرستش کرنے والوں کے خلاف اُس کا غصّہ پاک نوشتہ ہے۔ عزرا کی خواہش کہ تمام غیر قوموں کو خُدا کے عہد سے الگ رکھا جائے پاک نوشتہ نہیں مگر پاکیزگی کی خاطر اُس کی تڑپ پاک نوشتہ ہے۔ اِن تمام لوگوں کی زندگیوں پر خُدا کے مطالبات کا بوجھ تھا اور خُدا نے انہیں اپنے رُوبرُو رکھا۔

اس طریق سے کتابِ مُقدّس کا مطالعہ کرنے میں صریحاً ایک خطرہ

لاحق ہے۔ وہ خطرہ ہمارے اس طرزِ خیال سے پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ کب، کہاں اور کس سے پاک کلام کے وہ الفاظ کہے گئے تھے۔ ہم اُن کا مطالعہ کرتے وقت خُدا کے کلام میں سچائی پا سکتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، خُدا کبھی بھی سب لوگوں سے عام اصطلاحات میں کلام نہیں کرتا، بلکہ وُہ انفرادی طور پر ہر ایک عورت اور مرد سے اُس کی زندگی کے خاص حالات کے مطابق کلام کرتا ہے۔

خُدا کا کلام کبھی بھی عام اصطلاحات یا عام خیالات میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ خُدا نے ایک شخص سے ایک خاص طریق سے اور دُوسرے شخص سے کسی اور طریق سے کلام کیا۔ ہم اس بات کو کہ خُدا نے کیا کہا اور اس طریق سے کہ کیونکر کہا اُس وقت تک نہ سمجھ سکیں گے جب تک ہم دریافت کرنے کی تکلیف نہ گوارا کریں کہ کب اور کس سے خُدا کلام کر رہا تھا۔ جب ہم کتابِ مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں خُدا کے متعلق چند عام خیالات کو سیکھنے کی دعوت نہیں دی جاتی ہے بلکہ ہمیں اس مسلسل گفتگو میں حصہ لینے کی دعوت دی جاتی ہے۔

بعض لوگ کتابِ مقدس کے ہر ایک لفظ کو سچا اور الہامی مانتے ہیں لیکن وُہ اپنے دلوں میں یہ سوال نہیں پوچھتے کہ کیوں اور کب وُہ لفظ کہا گیا تھا۔ ایسے لوگوں کے اذہان میں خُدا کی بابت غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ بعض لوگ خُدا کے کلام میں سے کسی بھی لفظ میں عام رُوحانی سچائی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اول الذکر کی طرح وُہ بھی اپنے دِلوں میں یہ سوال نہیں کرتے کہ کیوں اور کب وُہ لفظ کہا گیا تھا۔ ایسے ہی لوگ کتابِ مقدس کے الفاظ کی اصل

زندگی کو ان سے محروم کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کی زندگی اس امر میں پائی جاتی ہے کہ وُہ کسی خاص موقعہ پر کسی خاص قوم سے کہے گئے تھے خُدا آج بھی ہر مرد وزن سے کلام کر رہا ہے۔ وُہ ہم سے کلام کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس مقام پر اس وقت موجود ہیں، یعنی ایک خاص وقت اور ایک مقررہ جگہ میں؛ اور یہی وُہ جگہ ہے اور یہی وُہ وقت ہے اور یہاں کھڑے کھڑے خُدا ہم سے کلام کر سکتا ہے۔ دورِ حاضرہ میں خُدا اور انسان کے مابین جو کلام ہوتا ہے، اُس کے اصل مفہوم کو سمجھانے میں کتابِ مقدّس ہماری مدد و امداد کرتی ہے جس طرح بائبل کی داستان میں خُدا مردوں اور عورتوں سے اُن کی موجودات کے مطابق گفتگو کرتا تھا، اسی طرح آج بھی خُدا اُنہیں الفاظ کے ذریعہ ہم سے ہماری موجودہ حالت کے مطابق کلام کر سکتا ہے، اور راہی قدیم الفاظ کو ہمارے لئے دورِ حاضرہ میں زندہ کلام بنا سکتا ہے۔ کتاب مقدّس کے مطالعہ کی مہم اس امر میں پائی جاتی ہے کہ ہم رُوح القُدس سے دُعا مانگیں کہ وُہ ہمیں خُدا اور انسان کے مابین گفتگو کی اس منزل تک لے جانے میں ہماری رہنمائی کرے جہاں ہم خُدا کے اُس کلام کو سُن سکیں جو وُہ آج ہم سے کر رہا ہے۔

آیئے! میں آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کروں جن کے وسیلہ سے اس سچائی کی وضاحت ہو جائے گی جو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں۔

متعدد لوگوں نے یسُوع کے اِن الفاظ کو پڑھا تھا جو اُس نے مالدار نوجوان سے کہے تھے کہ "جا جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو دے.. .... اور آکر میرے پیچھے ہولے" (مرقس ۱۰: ۲۱) اِن میں سے بیشتر

لوگوں کے نزدیک اِن الفاظ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اُنہیں اپنی دولت سے محبّت نہیں رکھنی چاہیئے۔ لیکن ایک دن جب سی۔ ٹی سٹڈ صاحب[1] نے اِن الفاظ کو پڑھا تو اُسے رُوح القُدس نے یُوں ہدایت کی:۔ اَے سٹڈ یہ حُکم تیرے واسطے ہے"۔ اَور سٹڈ صاحب نے اپنی ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی، اَور خُود ایک مِشنری کی حیثیّت سے مُلک چین کو روانہ ہو گیا۔

برّاعظم ایشیا میں ہم میں سے متعدّد لوگ اشتراکیت[2] کی اُمڈتی ہُوئی طاقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جن کا اثر اب ہندوستان کے سرحدی علاقوں تک محسُوس ہو رہا ہے اَور ہم حیران ہیں کہ اس صُورتِ حال کی بابت جب خُدا ہم سے کلام کرے گا تو کیا ہم اس قابل ہوں گے کہ اُس کی آواز کو سُنیں۔ کیا ہمارا رُتبہ یسعیاہ نبی کے برابر ہوگا کہ جب اُس نے اسُور کی اُمڈتی ہُوئی طاقت کو دیکھا تو اپنے بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا؟ "سو خُداوند شاہ اسُور کے حق میں یُوں فرماتا ہے کہ وُہ اس شہر میں آنے یا یہاں تیر چلانے نہ پائے گا۔" (۲-سلاطین ۱۹ : ۳۲) یا کیا ہمارا رُتبہ یرمیاہ نبی کے برابر ہے کہ جس نے بابل کی طاقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اَور اپنی قوم کو یہ پیغام بھیجا؟ "خُداوند یُوں فرماتا ہے کہ دیکھو مَیں تم کو حیات کی راہ اَور موت کی راہ دکھاتا ہُوں۔ جو کوئی اس شہر میں رہے گا وُہ .... مریگا، لیکن جو نکل کر کسدیوں میں .... چلا جائے گا وُہ جیئے گا۔" (یرمیاہ ۲۱ : ۸-۹)

ہم موجُودہ اقوام کی زندگی سے ایک اَور مثال پیش کرتے ہُوئے

---

[1] C. T. STUDD. [2] COMMUNISM.

یہ سوال پوچھتے ہیں کہ کیا ایشیائی ممالک کے لئے جو مقابلتہً نئے اور کمزور ہیں اور جن پر مغربی اور مشرقی ممالک سیاسی اثر ڈال رہے ہیں، ہوسیع نبی کے اُس پیغام میں جو اُس نے اپنے لوگوں کو اُن کی مصیبت کے وقت دیا، جب اسُوری اُن کو تنگ کر رہے تھے کوئی پیغام ہے؟ افرائیم بے وقوف و بیدانش فاختہ ہے۔ وہ مصر کی دُہائی دیتے اور اسُور کو جاتے ہیں۔ جب وہ جائیں گے تو میں اُن پر اپنا جال پھیلا دُوں گا۔ ۔ ۔ ۔ اُن کی تادیب کرُوں گا" (ہوسیع ۷: ۱۱-۱۲)

یہ بات سچ ہے کہ اس قسم کے پیغامات جو عہدِ عتیق کے انبیا نے خُدا کی قوم کو سُنائے تھے، دَورِ حاضرہ کی اقوام پر ہرگز صادر نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ اقوام اس مفہوم میں خُدا کی اقوام نہیں، جس طرح بنی اسرائیل تھی۔ اس کے باوجود ہر ایک قوم کی کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے قومی حالات کے پیشِ نظر خُدا کے کلام کو سُنے اور ساری قوم میں اس کلام کی علی الاعلان مُنادی کرے۔

ایمان کی زندگی کے لئے خُدا کا کلام خوراک کی حیثیت رکھتا ہے اور وُہی شخص کتابِ مُقدّس میں سے اس رُوحانی خوراک کو حاصل کر سکتا ہے، جو ایمانداری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ جب بیابان میں شیطان یسُوع کو آزمانے آیا تو اُس نے یسُوع کے آگے کتابِ مقدّس کے الفاظ پیش کئے۔ لیکن ایمان کی جس حالت میں یسُوع قائم تھا، اُس کے وسیلہ سے پاک نوشتہ کے وُہی حوالہ جات خوراک کی بجائے زہر بن گئے۔ اس کے باوجود کتابِ مُقدّس کا یہی وُہ حوالہ ہے، جس کے وسیلہ سے خداوند مسیح

نے اپنے شاگردوں کو رُوحانی قوّت بخشی تھی، جب اُس نے اُن کو سفرِ رسالت پر بھیجا تھا۔ (لُوقا ۱۰: ۱۹)

یہ متعدد مثالیں اور یہ تمام بحث اس بات کو صاف و صریح کر دیتے ہیں کہ ایمان کی زندگی کی اس تعریف سے خُدا کے کلام کی تعریف کی جا سکتی ہے اور یہی وُہ واحد طریق ہے جس سے ہم اس سچائی پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ دَورِ حاضرہ میں بائبل فی الحقیقت ہمارے لیے خُدا کا کلام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خُدا کے کلام کی یہ تعریف عملی زندگی کے لیے مُشکل ثابت ہو، لیکن یہی وُہ واحد تعریف ہے، جس میں اس حقیقت کو بڑی سنجیدگی سے شامل کیا گیا ہے کہ نوشتے خُدا کے الہام سے ہم تک پہنچتے ہیں اور یہ نوشتے صرف رُوح القُدس کی تلوار کے وسیلہ سے پُر معنی بن جاتے ہیں۔ خُدا کا کلام وُہ کلام ہے، جس کا مطالبہ ہماری اندرونی زندگی کو خُدا کی نظروں میں جس کے ساتھ ہمارا سروکار ہے، نمایاں کر دیتا ہے۔

اُس شخص کے لئے جو بائبل کا مطالعہ رُوح القُدس کی ہدایت سے کرنا چاہتا ہے، یہ تمام باتیں کس حد تک عملی دانائی کا مُوجب ہوتی ہیں؟ کیا اِن تمام صداقتوں کو ایسی صُورت میں بیان کیا جا سکتا ہے جو عملی طور پر مُفید ہو؟ آئیے! ہم انہیں ایسی ہی صُورت میں بیان کرنے کی کوشش کریں۔

سب سے پہلی قابلِ ذکر صداقت یہ ہے کہ بائبل بذاتِ خُود وُہ بلاواسطہ وسیلہ ہوتا ہے جسے رُوح القُدس لوگوں کے دِلوں

کو تبدیل کرنے اور یسوع مسیح پر ایمان لانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔
جس وقت میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں، میری تحویل میں ایک لڑکا ہے، جسے میں پاک بپتسمہ کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ اس لڑکے کا باپ قید خانہ میں سزا کاٹ رہا ہے، کیونکہ اُس نے طیش میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔ لیکن اُس کے بیٹے نے جس کی زندگی میں ایسے تاریک واقعات پیش آئے تھے، یسوع مسیح میں آرام اور تسکین رُوح پایا۔ چونکہ وہ لڑکا گانے بجانے کا شوقین تھا، وہ ایک گانے والی مسیحی پارٹی کا رُکن بن گیا۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ جب اُس نے اُن سے میلاد المسیح کی داستان سُنی تو وہ فی الفور مسیح کی طرف کھنچا گیا اور اب اُس کے سامنے کتاب مُقدّس کی بابت یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے کہ وہ کتاب ہے جس کی مرکزی اور بلند ترین منزل میلاد المسیح کی داستان ہے۔ اب وہ لڑکا اس عظیم حقیقت کو رفتہ رفتہ دریافت کر رہا ہے کہ کتاب مقدس وہ مقام ہے جہاں اُس کی رُوح خُدا سے میل کر سکتی ہے۔
لیکن اس حقیقت کو کہ کتاب مقدس انسان اور خُدا کی مُلاقات کا مقام ہے، ایک اور طرح سے بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو انسان کی بابت کوئی جھوٹا بیان نہیں دیتی اور جس کو پڑھنے سے انسان بے تکلف ہو جاتا ہے اور اس کی رُوح اُسے اپنا ہی مسکن تصوّر کرتی ہے۔ ذاتِ انسانی کے لئے کتاب مقدس قدرتی رہائش ہے۔ میرے والد بزرگوار ایک وکیل تھے۔ اُن کی یہ عادت تھی کہ سال میں ایک دفعہ وہ پوری کتاب

مقدس کا مطالعہ کر لیتے تھے۔ اور مشہور انگریزی ادیب شکسپیئر کے ڈراموں کے مجموعہ کو بھی سال میں ایک مرتبہ پڑھ چھوڑتے تھے۔ ایک دن میں نے اس عادت کی بابت جب اُن سے دریافت کیا تو اُنہوں نے مجھے یہ جواب دیا کہ وہ کتاب مقدس کے مطالعہ سے مذہبی قدرت مجھے حاصل ہوتی ہے، اس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ وُہ واحد کتاب ہے جو انسانی دماغ کے طریق عمل کی بابت مجھے بہترین تعلیم دیتی ہے۔ میرے خیال میں شکسپیئر بھی "فطرتِ انسانی" کے موضوع کا اُستاد ہے۔ چنانچہ میرے مطالعہ کا یہ طریق مجھے اپنے کاروبار میں مدد کرتا ہے، کیونکہ ایک وکیل کے نزدیک جس چیز کو اچھی طرح سمجھنا سب سے اہم ہوتا ہے وُہ انسانی دماغ ہے۔

تاہم اس حقیقت میں کہ کتابِ مقدس انسانی رُوح سے بلاواسطہ کلام کرتی ہے ہمیں ایک اور حقیقت شامل کرنی لازم ہے اِس دُوسری حقیقت کو ہم یُوں واضح کر سکتے ہیں:۔ بشارتی مہم کا ایک پہلُو یہ ہے کہ عام بازار میں جہاں لوگ روز کی اشیائے خوردنی خرید کرنے آتے ہیں، انجیل یا نئے عہد نامے یا کتاب مقدس کے حصص کو بیچا جاتا ہے۔ کتابِ مُقدس کے حصص کو فروخت کرنے کا پروگرام گیت گانے اور مُنادی کرنے کے پروگرام کے ساتھ مُلحق ہوتا ہے۔ چنانچہ گیت گانے اور مُنادی کرنے کے بعد اس بشارتی گروہ کے ارکان جو کہ قریب ترین گرجا گھر سے تعلق رکھتے ہیں، اس بازار سے واپس روانہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن کئی مہینوں یا سالوں کے بعد ایک شخص اِن مبشروں کی تلاش میں اس گرجا گھر

تک آ پہنچتا ہے، جنہوں نے اُسے ایک کتاب فروخت کی تھی اور جو اُس نے فلاں دن بازار میں خریدی تھی۔ اس کتاب سے اُسے ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے لیکن سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وُہ اِن لوگوں کو تلاش کرے جن کی یہ کتاب ہے۔ وُہ ایسے لوگوں کی تلاش میں ہے جو اس کتاب کے اصل مالک ہیں۔ ایسے اشخاص جو "خُدا کی اُمّت" ہیں۔ یہی اُس کے سامنے خُدا کی اس کتاب کے پیغام کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔

کتابِ مقدّس کے پیغام کو ہم کلیسیائی زندگی ہی کے ماحول میں بہترین طریق سے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ یہ پیغام کلام، گواہی و عبادت اور سیکرامنٹوں سے تعلّق رکھتا ہے جو کلیسیائی زندگی کے لازمی اجزا ہیں۔ کتابِ مقدّس کلیسیا کا وُہ ہتھیار ہے جو تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راستبازی میں تربیّت کرنے کے لئے فائدہ مند ہے تاکہ مردِ خُدا کامل بنے اور ہر ایک نیک کام کے لئے بالکل تیار ہو جائے"۔ (۲۔تمیتھیُس ۳: ۱۶-۱۷)

رُوح القُدس کی رہنمائی کے تحت کتابِ مقدّس کے مطالعہ کی بابت جو تیسری بات پر ہمیں زور دینا ہے یہ ہے کہ جتنا جلد ہو سکے، کتابِ مقدّس ہمارے لئے ایک معلُوم شُدہ کتاب بن جانی چاہیئے۔ کتابِ مقدّس کی مُشابہت کسی مُلک سے کی جا سکتی ہے جسے انسانی رُوح اپنا مسکن تصوّر کرتی ہے اور جس میں وُہ بے تکلّف ہو کر داخل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ وُہ مُلک ہے جس کے مُختلف حِصّوں کی آب و ہوا اور خوراک بالکل مُختلف ہے۔ پس جب تک

یہ مُلک ہمارے نزدیک معلُوم شدہ نہیں ہم اُس چیز کو تلاش کرنے میں ناکام رہیں گے، جس کی ہمیں کسی خاص موقعہ پر ضرُورت محسُوس ہو۔ قاعدگی، ترتیب اور ہدایت کے ساتھ کتابِ مقدس کا مطالعہ کرنا یہ وُہ لازمی شرط ہے جس پر عمل کرنے سے ہم اپنے طریقِ مطالعہ میں رُوح القدس کی رہنمائی کو قبُول کرنے کے لائق بن جاتے ہیں۔

میرا ایک دوست ہے جو کتابِ مقدس میں سے اپنی زندگی کے لیئے رُوحانی ہدایت حاصل کرنے کی خاطر ایک عجیب طریقہ استعمال کرتا ہے۔ اُس نے مجھے کہا:۔

"ایک مسئلہ پر مَیں اس وقت تک غور و خوض کرتا رہتا ہوُں جب تک مَیں اُس کے دو مُتبادل حلّوں میں تخفیف نہیں کر لیتا۔ بعدازاں مَیں دُعا کرتا ہوُں اور دُعا کرنے کے بعد اپنی بائبل کو کھولتا ہوُں اور جو آیت سب سے پہلے میری نظروں کے سامنے سے گذرتی ہے اُسے مُنتخب کر لیتا ہوُں۔ اس کے بعد مَیں اُس آیت کے الفاظ کی تعداد گنتا ہوُں۔ اگر ان الفاظ کی کُل تعداد طاق ہوتی ہے تو اُن حلوں میں سے ایک حل درست ہے اگر ان الفاظ کی تعداد جُفت ہے تو دُوسرا حل ممکن درست ہے اور یہ کہ کون سا حل کس صُورت میں درست ہوگا؟ اس کی بابت اپنی بائبل کو کھولنے سے پہلے ہی مَیں فیصلہ کر لیتا ہوُں۔"

مَیں جب کتابِ مقدس کے ایسے طریقِ عمل کی بابت اُس شخص کے اقرار پر مسکرایا تو اُس نے مجھے جواب میں کہا "میرے پاس اور کون سی مُتبادل صُورت ہے؟ مَیں بائبل کے پیغام کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا اور آپ پادری صاحبان تو کتابِ مقدس کی بابت ایک

دُوسرے کی تشریحات پر متفق الرائے نہیں۔ چنانچہ اگر مُجھے کتابِ مقدس کے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنی ہے تو لازم ہے کہ مَیں مطالعہ کا ایسا طریقہ اختیار کرُوں جس میں غلطی کرنے کا امکان ہی نہ ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس میں غلطی کرنے کا امکان نہ ہو؟ میری رائے میں کوئی نہیں، کیونکہ رُوح القدس ہمارے ایمان سے کلام کرتا ہے۔ لیکن لازم ہے کہ ایمان کی بُنیاد علم پر ہو اور کلیسیا مجمُوعی طور پر اس کی قائل ہو۔

لہٰذا یہی ایمان کے وُہ سب اہم اجزا کون کون سے ہیں جن کی موجُودگی میں کتابِ مقدس کا مطالعہ کارآمد ثابت ہوتا ہے؟ ہمارے مُبحث کا چوتھا نقطہ یہی ہے اور ہم ذیل کی چار سُرخیوں کے تحت اس سوال کا جواب دیں گے۔

اوّل:۔ یہ لازم ہے کہ ایمان کو برقرار رکھا جائے۔ یاد رہے کہ صرف ایک متحرک موٹر گاڑی یا کشتی ہی کو کسی خاص سمت میں چلایا جا سکتا ہے۔ ابرہام نے "مسافرانہ طور پر بُود و باش کی اور خیموں میں سکُونت کی۔" "اور وُہ اُس شہر کو اُمید سے دیکھتا تھا" "جس کا معمار اور بنانے والا خُدا ہے۔" (عبرانیوں ۱۱: ۹-۱۰) پس خُدا نے ابرہام کی رہنمائی کی اور اپنے وعدے کی تکمیل کے پیشِ نظر اُسے ایک بیٹا بخشا۔

دوم:۔ ایمان کی بالاترین خواہش اور فکر یہ ہونی چاہیئے کہ حقیقی خُدا کو خُدا مانا جائے۔ یرمیاہ نبی کے زمانے میں جھُوٹے نبی اُٹھے۔ اُنہوں نے جھُوٹی پیشین گوئیاں کیں کیونکہ وُہ قومی قدر و جلال کو برقرار رکھنے کے نہ کہ خُدا کی راستبازی کو ظاہر کرنے کے آرزومند تھے۔

(یرمیاہ ۲۸ باب)

سوم - خواہ خُدا دیر کرے، ایمان کو چاہیئے کہ وُہ صبر سے انتظار کرنے کے لئے رضامند رہے - نُور حاصل کرنے کی خواہش ایک دم پُوری نہیں ہو گی - انتظار کرنے کی ضرورت ہے اور جو شخص کتابِ مقدس کا مطالعہ کرتا ہے، وُہ عموماً اپنے آپ کو حبقوق نبی کے مقام پر کھڑا پائے گا اور وُہ دیدگاہ پر کھڑا ہو کر اور بُرج پر چڑھ کر خُدا کے کلام کا انتظار کرتا ہے - (حبقوق ۲:۱)

چہارم - ایمان کو سیکھنا ہے کہ وُہ رُوح القُدس کی رہنمائی پر فرمانبردار رہے جیسے میں شاگردوں نے رُوح کی معرفت پولُس سے کہا تھا کہ وُہ یروشلیم میں قدم نہ رکھے، لیکن وُہ پھر بھی چلا گیا (اعمال ۲۱:۴) جس شخص کی باتوں کو سُن کر یہوواہ کے مردِ خُدا نے سامریہ میں روٹی کھائی تھی وُہ خُدا کا ایک عمر رسیدہ نبی تھا، اور خُدا کے حکم کی اس نافرمانی کے عوض اُسے اپنی جان دینی پڑی - (۱-سلاطین ۱۳باب) ہم دوسرے لوگوں کی فرمانبرداری کو پیش نہیں کر سکتے - ہم صرف اپنی ذاتی فرمانبرداری کو پیش کر سکتے ہیں -

اور بالآخر جو شخص رُوح القُدس کی معرفت ہدایت پاتا ہے، اُسے چاہیئے کہ وُہ اُس وقت کو جو اُسے درپیش ہے پہچانے - یہ آخری اور پانچواں نقطہ جسے ہم ذیل کے سوال کے جواب میں پیش کر رہے ہیں بہت بڑی اور فیصلہ کُن سچائی ہے -

رُوح القُدس کی رہنمائی کے تحت کتابِ مقدس کے مطالعہ میں کون کون سی باتیں شامل ہیں جنہیں ہمیں مدِنظر رکھنا ہے؟

یہ امر اس لئے فیصلہ کُن ہے کیونکہ جس طریق سے بائبل ہم سے کلام کرے گی، اس کا انحصار ہماری اس "گھڑی" کو پہچاننے کی قابلیت

پر ہوگا۔ ہم اور کُل جہان خُدا کے ہاتھوں میں ہیں اور ہم یا ہمارا ملک یا ہماری کلیسیا یا ہماری دُنیا جس صُورتِ حال میں ہے، اُس کو محض تواریخی اسباب سے مُتعیّن نہیں کیا جاتا۔ جب تمہاری بُنیادیں ہل جائیں تو اِس کا سبب ادُوم یا موآب یا فلسطین مت جانو بلکہ مَیں خُداوند خُدا ہُوں جس نے تمہیں تمہارے گھونسلے سے باہر نکالا ہے جیسے عقاب اپنے گھونسلے کو ہلا کر اپنے بچّوں پر منڈلاتا ہے تاکہ وُہ اُڑنا سیکھیں (استثنا ۳۲:۱۱) یا جب تُم مصر یا اسُور کی سازش کے جال میں گھِرے ہُوئے ہو تو مت بھُولو کہ اِس معاملے میں بھی میرا سب سے اہم دخل ہے (یسعیاہ ۸:۱۱-۱۵) جس قادرِ مطلق خُدا سے ہمارا سروکار ہے وُہ اِس وقت ہم پر اور ہمارے درمیان مصروفِ کار ہے اور اِس سلسلے میں ایک ایسی "گھڑی" بھی ہوتی ہے جب ہم خُدا کے حضُور بادب کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمیں اِس گھڑی کو پہچاننے کی کوشش کرنی چاہیئے، جس طرح خُداوند یسُوع نے اپنے باپ کی مرضی کے سلسلے میں اِس گھڑی کو پہچاننا معلُوم کیا۔ جس امر کی روشنی میں ہم نے خُدا کے ارادوں کو منزل بہ منزل سمجھا ہے، اُسی روشنی میں ہمیں اپنے آپ یا اپنے مُلک یا اپنی کلیسیا یا اپنی دُنیا کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

"پھر خُداوند کا کلام مجھ پر نازل ہُوا اور اُس نے فرمایا۔ اَے یرمیاہ! تُو کیا دیکھتا ہے؟ مَیں نے عرض کی کہ بادام کے درخت کی ایک شاخ دیکھتا ہُوں اور خُداوند نے مجھ سے فرمایا کہ تُو نے خُوب دیکھا کیونکہ مَیں اپنے کلام کو پُورا کرنے کے لئے بیدار رہتا ہُوں"۔ (یرمیاہ ۱:۱۱-۱۲)

ب

"کیونکہ جس طرح آسمان سے بارش ہوتی اور برف پڑتی ہے اور پھر وہ وہاں واپس نہیں جاتی بلکہ زمین کو سیراب کرتی ہے اور اُس کی شادابی اور روئیدگی کا باعث ہوتی ہے تاکہ بونے والے کو بیج اور کھانے والے کو روٹی دے۔ اسی طرح میرا کلام جو میرے منہ سے نکلتا ہے، ہوگا۔ وہ بے انجام میرے پاس واپس نہ آئے گا۔ بلکہ جو کچھ میری خواہش ہوگی، وہ اُسے پورا کرے گا اور اُس کام میں جس کے لئے میں نے اُسے بھیجا، مؤثر ہوگا" (یسعیاہ ۵۵: ۱۰-۱۱)

حاشیہ ب:- چونکہ عبرانی زبان میں دو ذو معنی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے ہم ان عبرانی الفاظ اور اُس کے متوازی اُردو اور انگریزی الفاظ کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

عبرانی	انگریزی	اُردو
SHAKED	WAKE TREE (NOUN)	بادام کا درخت
SHOKED	WAKE OR WATCH (VERB)	بیدار رہنا

باب پنجم

نبوت اور تکمیل

"یہوواہ نے میرے خداوند سے کہا تو میرے دہنے ہاتھ بیٹھ جب تک کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی نہ کر دوں۔ خداوند تیرے زور کا عصا صیون سے بھیجے گا۔ تو اپنے دشمنوں میں حکمرانی کر۔ لشکر کشی کے دن تیرے لوگ خوشی سے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ تیرے جوان پاک آرائش میں ہیں۔ خداوند نے قسم کھائی ہے کہ تو ملک صدق کے طور پر ابد تک کاہن ہے۔" (زبور ۱۱۰: ۱-۴)

"اس لئے یسوع ایک بہتر عہد کا ضامن ٹھہرا کیونکہ اس کے حق میں گواہی دی گئی ہے کہ تو ملک صدق کے طور پر ابد تک کاہن ہے اسی لئے جو اس کے وسیلہ سے خدا کے پاس آتے ہیں وہ انہیں پوری پوری نجات دے سکتا ہے کیونکہ وہ ان کی شفاعت کے لئے ہمیشہ زندہ ہے۔" (عبرانیوں ۷: ۲۲، ۱۷، ۲۵)

خدا کے کلام کا ہر ایک لفظ وعدہ بھی ہے اور نبوت بھی۔ وہ لفظ اپنی حدود سے پرے خدا کی جانب اشارہ کرتا ہے جو اسے انسان کی زندگیوں اور معاملات میں مؤثر بناتا ہے یہ بات

خُدا کے ہر ایک لفظ کی بابت سچ ہے کہ وہ اپنے کلام کو پُورا کرنے کے لئے بیدار رہتا ہے (یرمیاہ ۱: ۱۲) آئیے میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کروں۔ پُرانے عہد نامے کی داستان کا ایک حصّہ یہ ہے کہ یہوداہ کی تواریخ کے ایک فیصلہ کن مرحلہ پر شاہ یُوسیاہ نے اپنی قوم کو سچے مذہب کی طرف راغب کرنے کی غرض سے مذہبی اصلاحات کا ایک سلسلہ رائج کیا تھا۔ پہلے پہل یرمیاہ نبی نے شاہ یوسیاہ کی حمایت کی تھی، لیکن کچھ عرصے کے بعد یرمیاہ نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ بادشاہ کی اصلاحات اصل مسئلہ کے بُنیادی اور مرکزی پہلوؤں سے وابستہ نہیں اور کئی مقامات پر لوگوں کو غلط راہ پر ڈالتی ہیں۔ اصلاحی تحریک اپنی ذات میں اس قابل نہ تھی کہ وہ اُس قوم کی مرضی کو تبدیل کر دیتی۔ حقیقتاً یہ تحریک اس لئے ناکام ثابت ہوئی کہ اُس نے ایک تو تمام قوم کے لئے کچھ احکام صادر کر دیئے، جن کی تعمیل سب کے لئے لازمی قرار دی گئی اور دوسرے اُن کی توجہ خُدا کی طرف سے جو اُن کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا، ہٹانے کا موجب بنی۔ انسان کو توبہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے نہ کہ تحریک دینے کی، چنانچہ لکھا ہے۔

"میں نے کان لگایا اور سُنا۔ اُن کی باتیں ٹھیک نہیں۔ کسی نے اپنی بدکاری سے توبہ کر کے نہیں کہا کہ میں نے کیا کیا؟ وہ میری بنت قوم کے زخم کو یُوں ہی سلامتی سلامتی کہہ کر اچھا کرتے ہیں..." (یرمیاہ ۸: ۶، ۱۱)

میں ۱۹۵۱ء میں آسٹریلیا کی مختلف کلیسیاؤں کے رہنماؤں کی ایک مجلس مذاکرہ میں موجود تھا جہاں وہ "قوم کی بلاہٹ" کے زیر عنوان اپنے اپنے نظریات پر بحث کر رہے تھے۔ یہ بلاہٹ چند مہینوں قبل سرکاری طور پر جاری ہوئی تھی۔ اِن رہنماؤں میں سے بعض نے

اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے پہلے ہی سے اس بلاہٹ پر دستخط کر دیئے تھے۔ لیکن اجلاس کے دوران اُن کو اس بات کا احساس ہوا کہ وُہ "بلاہٹ" اپنی موجودہ حالت میں اس قابل نہیں کہ کلیسیائیں اُس کی حمایت کریں، کیونکہ وُہ اصلاح کی بابت بُلاہٹ تھی نہ کہ توبہ کی بابت۔ جب میں اُن کی بحث وتمحیص کو سُن رہا تھا تو مُجھے صدرِ مجلس کے طرزِ بیان پر بڑی حیرت ہُوئی، جب اُس نے اپنے نظریہ کا خلاصہ پیش کرتے ہُوئے کہا، "آج تک ہمارا رویّہ یرمیاہ نبی کی مانند رہا ہے جس نے شاہ یوسیاہ کی اصلاحات کی حمایت کی تھی۔ اب ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنی قوم کو یہ پیغام سنائیں کہ توبہ کرو اور انجیل مقدّس پر ایمان لاؤ۔" اس واقعہ کا بیان عہدِ عتیق کی داستان میں مندرج ہے اور یہ واقعہ دَورِ حاضرہ کے لئے پیشین گوئی بن گیا۔ خُدا اپنے کلام کو پُورا کرنے کے لئے بیدار رہتا ہے اور اُس کا کلام آسٹریلیا میں کارآمد ثابت ہُوا۔ عہدِ عتیق کی یہ قابلیّت جس کی بدولت اُس کا کلام بارہا مؤثّر اور کارآمد ثابت ہوتا ہے، اُس کی نبوّتی خصلت کی بنا پر ہے اور ہم اس خصلت کو اُس کی تمام خُوبیوں میں اُس وقت پاتے ہیں، جب ہم نئے عہد نامے میں عہدِ عتیق کی پیشین گوئیوں کی تکمیل کو پڑھتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی بُلاہٹ:۔ ابرہام کو خُدا نے بُلایا تاکہ زمین کی تمام اقوام اُس کے وسیلہ سے برکت پائیں (پیدائش ۱۲: ۳) یسُوع اس لئے آیا تاکہ وُہ غیر قوموں کو روشنی دینے والا نُور بنے (لُوقا ۲: ۳۲) لیکن ابرہام کی موت سے لے کر یسُوع کی آمد تک جو طویل وقفہ گذر گیا تھا اس دوران میں یہُودی قوم کی خیال آرائی میں ایک اہم تغیّر وقوع پذیر ہو گیا تھا۔

وہ اس امر کو بھول گئے تھے کہ خُدا نے رسالت کی خاطر اُنہیں منتخب کیا ہے - وہ بھول گئے تھے کہ خُدا نے رسالت کی خاطر اُنہیں منتخب کیا ہے - وہ بھول گئے تھے کہ خُدا نے محض اس غرض سے اُنہیں اپنی قوم چُنا ہے تاکہ دُنیا کی تمام اقوام اُن کے وسیلہ سے خُدا کی طرف بُلائی جائیں - وہ بھول گئے تھے کہ خُدا کی بُلاہٹ اُن کی نجات کا ضامن نہ تھی - اس کے برعکس اس بلاہٹ سے اُن پر محض ایک ذمّہ عائد ہوتا تھا -

نئے عہد نامے کا سروکار اہل یہود کی خیال آرائی میں اس تغیر کو پیش کرنا ہے اور اس کا مقصد اس بات کو صاف طور سے بیان کرنا ہے کہ کس طرح خُدا کے ارادوں کا جن کا اوّلاً عہد عتیق میں ذکر ملتا ہے ، اُن کی حقیقی تکمیل عہد جدید میں ہوتی ہے - عہد جدید کا مرکزی قول یہ ہے کہ :- "خُدا نے دُنیا سے محبت رکھی" (یوحنا ۳ : ۱۶) یہ قول عہد عتیق کے اس قول کی تکمیل ہے کہ خُدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا (پیدائش ۱:۱) علاوہ بریں یہ دُنیا جس سے خُدا نے محبت رکھی ، وُہی دُنیا ہے جس کی نجات کی خاطر خُداوند مسیح نے اپنی جان دی "تاکہ مسیح یسوع میں ابرہام کی برکت غیر قوموں تک بھی پہنچے" (گلتیوں ۳ : ۱۴) اپنی تواریخ کی بابت یہودیوں کی غلط فہمی کا سرچشمہ "رد ہونے" کا خیال تھا - اُنہیں یہ خیال تھا کہ خُدا نے چند جماعتوں کو ایک دوسرے کے بعد رد کیا تھا تاکہ وہ کسی خاص جماعت کو چُنے - جن اشخاص کو اس بات کا علم تھا کہ خُدا نے اُنہیں اپنے ارادہ کے مطابق چُنا ہے ، اُن کے اذہان میں یہ خام خیالی تھی کہ اُن کا انتخاب اِس بات کا خاص نشان ہے کہ وہ مراعات کے مستحق ہیں - عہد جدید اِس

نظریہ کی تصحیح کرتا ہے اور صاف صاف یُوں بیان کرتا ہے کہ "خُدا نے دُنیا کے کمینوں اور حقیروں کو بلکہ بےوجُودوں کو چُن لیا تاکہ موجُودوں کو نیست کرے، تاکہ کوئی بشر خُدا کے سامنے فخر نہ کرے" (۱-کرنتھیوں ۱: ۲۸-۲۹)

کیا ناصرۃ سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے؟ (یُوحنّا ۱: ۴۶) ہرگز نہیں اور پھر بھی وہاں سے ایک لاثانی اور عظیم المرتبت شخصیّت پیدا ہوئی۔ لیکن اس کا وجُود ناصرۃ میں نہیں بلکہ خُدا میں ہُوا تھا۔ فی الحقیقت خُدا نے ناصرۃ کو اسی وجہ سے چُنا تاکہ ناصرۃ اپنی قُدرت اور جلال پر فخر نہ کرے۔ ناصرۃ کا انتخاب اس انتخاب کی تکمیل ہے، جس کے مطابق ------------ عہدِ عتیق میں ہابل کو قائن پر، اضحاق کو اسمٰعیل پر، یعقُوب کو عیسو پر، یہُوداہ کو روبن پر اور افرائیم کو منسّی پر ترجیح دی گئی۔

دُوسرے لفظوں میں بنی اسرائیل کی بُلاہٹ کُل جہان کی نجات کی بابت نبوّت ہے اور اُس کی تکمیل اس جہان کی نجات میں پائی جاتی ہے۔ مسیحی کلیسیا کو بنی اسرائیل کے وعدے اور اُس کی رسالت میراث میں ملی ہے مسیح میں ہم پیشتر سے مقرّر ہو کر میراث بنے "تاکہ ہم اُس کے جلال کی ستائش کا باعث ہوں" (افسیوں ۱: ۱۱-۱۴) عہدِ جدید دعویٰ کرتا ہے کہ گو مسیحی کلیسیا بنی اسرائیل کی جماعت سے عظیم ہے پھر بھی اس میں اور اُس کے وسیلہ سے بنی اسرائیل کی بُلاہٹ کی جو تکمیل ہُوئی ہے، وُہ حقیقی تکمیل ہے --- کیا ہمیں عہدِ عتیق میں ملکِ صدق کی بنوّتی شخصیّت کا سُراغ نہیں ملتا جس کا رُتبہ ابرہام سے بھی بلند ہے؟ وُہ ملکِ صدق جو ابرہام کی فتحیابی کی گھڑی میں بھی اُس سے دہ یکی وصُول کرتا ہے (پیدائش ۱۴: ۱۸-۲۰)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ابرہام کو خدا نے بلایا تھا لیکن ملک صدق کسی روحانی نسب نامہ کے بغیر کتاب مقدس کی مندرجات میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ ایک ابدی کاہن کی علامت ہے جو ابدی عہد کا درمیانی ہے۔ وہ ایسا نشان ہے جو عہد عتیق کی داستان کی ابتدا ہی میں درپردہ ہو جاتا ہے اور جو اس بات کی طرف ہماری توجہ دلاتا ہے کہ ایک دن عہد عتیق کا حکم منسوخ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خداوند یسوع مسیح میں ایک بہتر امید رکھی گئی، جس کے وسیلہ سے ہم خدا کے نزدیک جا سکتے ہیں۔ (عبرانیوں ۷: ۱-۲۸)

پس ہم امید رکھتے ہیں اور جب تک خداوند اپنے ارادوں کو خود پورا نہیں کرتا، ہم اپنی امید کی تکمیل کی خاطر مصروفِ کار رہتے ہیں اور اس ابدی شہر میں قومیں برہ کی روشنی میں چلیں پھریں گی اور زمین کے بادشاہ اپنی شان و شوکت کا سامان اس میں لائیں گے (مکاشفہ ۲۱: ۲۳-۲۴)

بنی اسرائیل کی تواریخ اناجیل کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر فریسیوں سے بحث کرتے ہوئے خداوند مسیح نے اُن سے یہ سوال پوچھا "تم مسیح کے حق میں کیا سمجھتے ہو؟ وہ کس کا بیٹا ہے؟ اُنہوں نے اُس سے کہا داؤد کا۔ اُس نے اُن سے کہا پس داؤد رُوح کی ہدایت سے کیونکر اُسے خداوند کہتا ہے کہ خداوند نے میرے خداوند سے کہا میری دہنی طرف بیٹھ...؟" (متی ۲۲: ۴۱-۴۳) اس سوال میں خداوند مسیح نے زبور ۱۱۰ کا حوالہ دیا تھا، جہاں خدا کے مسُوح کی بابت یوں لکھا ہے کہ وہ "ملک صدق کے طور پر ابد تک کاہن ہے"۔ اس مقام پر مسیح کا اپنے متعلق یہ تصور پایا جاتا ہے کہ وہ خدا کے اُس ارادے کی تکمیل ہے، جو اسرائیلی حدود و حدود کو توڑ کر

اُس کو عالمگیر بنا دیتا ہے۔

لیکن خُداوند مسیح کے ذہن میں اس خیال کے ساتھ یہ یقین بھی وابستہ ہے کہ وُہ بنی اسرائیل کی تقدیر کی تکمیل بھی ہے۔ یسُوع کی مُنادی کی ابتدا اس یقینی قول سے ہوتی ہے کہ وُہ خُدا کا بیٹا ہے "یہ میرا پیارا بیٹا ہے، جس سے میں خُوش ہُوں" (متّی ۳: ۱۷) اس بیان میں ہمیں بنی اسرائیل کی قوم کی دو صُورتوں کی تصویر ملتی ہے۔ اوّلاً وُہ خُدا کا بیٹا ہے (زبُور ۲: ۷) اور دوئم وُہ خُدا کا برگزیدہ خادم ہے۔ (یسعیاہ ۴۲: ۱)۔ پس انجیل مقدّس کا مُصنّف یسُوع مسیح کی اپنی شہادت کے وسیلہ سے حیاتُ المسیح اور تواریخ بنی اسرائیل میں تقابلی مطالعہ کر کے مُشابہت پیش کرتا ہے۔

آیئے ہم محض دو مثالوں پر اپنا دھیان لگائیں۔ اِن میں سے پہلی مثال وُہ تشبیہ ہے جو انجیل نویس خُود بیان کرتا ہے اور دُوسری مثال خُداوند مسیح نے خود عوام کے سامنے پیش کی تھی۔ دونوں مثالوں کی مشابہت تواریخ بنی اسرائیل سے ہے۔

ہیرودیس نے بیت اللحم کے تمام بچّوں کو ہلاک کر دیا تاکہ وُہ اُس بچّہ یسُوع کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس صُورتِ حال کے پیشِ نظر لازم تھا کہ مقدّس خاندان مُلک مصر کو فرار ہو جائے (متّی ۲: ۱۳-۱۸) مُقدّس متّی کی انجیل کی اس کہانی کی ترجمانی یُوں کی جاتی ہے کہ یہ دراصل تواریخ بنی اسرائیل کے ایک ابتدائی واقعہ کی تشبیہ ہے۔ اسرائیل کے دس قبیلے جلاوطنی میں کھو گئے تھے اور اُن کے لئے نوحہ اور زار زار رونا ہوا۔ لیکن یرمیاہ نبی نے اپنی قوم سے کہا کہ وُہ حشر یہُوداہ کے ساتھ نہ پیش آئے گا، بلکہ بنی یہُوداہ دشمن کے مُلک سے

صحیح سلامت واپس لوٹیں گے (یرمیاہ ۳۱: ۱۵-۱۶) وُہ یقیناً واپس لوٹے گا جس طرح اس سے پیشتر خُدا نے اپنے بیٹے بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی سے بُلایا (ہوسیع ۱۱: ۱، متی ۲: ۱۵)

(ب) اپنی موت سے قبل جب یسوع آخری ہفتے کے لئے تیاری کرنے کی غرض سے یروشلم میں داخل ہوا تو اُس نے متعدد کام کئے اور اس کا ہر ایک فعل اس پیشتر کے کلام کی تکمیل تھی جو ہمیں عہدِ عتیق کی داستان میں ملتا ہے۔ وُہ گدھے پر سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوتا ہے۔ (زکریاہ ۹: ۹) اور یہ آواز آتی ہے کہ مُبارک ہے وُہ جو خُداوند کے نام پر آتا ہے۔ عالم بالا پر ہوشعنا (زبور ۱۱۸: ۲۶) وُہ ہیکل کو پاک صاف کرنے کی خاطر جس جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا ہے (یرمیاہ ۷: ۱۱) وُہ انجیر کے درخت پر لعنت کرتا ہے جس میں پتے ہیں لیکن کوئی پھل نہیں آتا (یرمیاہ ۸: ۱۳)

اب ہم اپنی بحث کی مدد سے اس نقطہ کو سمجھنے کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں کہ کس طرح عہدِ جدید کی کلیسیا نے عہدِ عتیق کو اپنا پاک نوشتہ قبول کیا تھا۔ اس میں خُداوند مسیح کا نسب نامہ موجود تھا یسوع ابنِ داؤد ابنِ ابرہام (متی ۱: ۱) ابرہام اضحاق کا باپ تھا اور اضحاق خُدا کے وعدے کا بیٹا تھا۔ یسوع رُوح القدس کے وسیلہ سے وعدہ کا بیٹا تھا۔ خُدا نے بنی اسرائیل کو فرعون کے قبضے سے رہائی دی اور اُنہیں مُلکِ مصر سے نکالا۔ یسوع کو بھی خُدا نے ہیرودیس کے قبضے سے آزاد کیا، اور بعد ازاں مُلکِ مصر سے واپس بُلایا۔ بنی اسرائیل بحرِ قلزم میں سے گذرے خُداوند مسیح دریائے یردن میں

اصطباغ کے پانی ہی سے گذرا۔ دونوں واقعات فیصلہ کن تجربات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل چالیس برس تک بیابان میں خدا کے ساتھ تھے جبکہ خداوند یسوع چالیس ایام تک بیابان میں خدا کے ساتھ رہا۔ ایک سلطنت کی حیثیت سے اسرائیل کی تاریخ بڑے پُر امید طور سے شروع ہوئی۔ لیکن بالآخر ایک پُر الم واقعہ سے اس تاریخ کا اختتام ہوا ۔۔۔ بنی اسرائیل جلاوطنی سے واپس لوٹے اور یسوع مردوں میں سے جی اٹھا۔

عہد عتیق کی داستان فی الحقیقت بیٹے کی داستان ہے لیکن جہاں نافرمانی تاریخ بنی اسرائیل کی ایک نمایاں خصوصیت تھی وہاں برعکس اس کے یسوع کامل طور پر فرمانبردار تھا۔ لہٰذا فرمانبرداری ہی حقیقی تکمیل ہے۔

بنی اسرائیل کی شریعت:- یسوع مسیح کی فرمانبرداری کی فوقیت کا درجہ وہ بلند مقام ہے، جہاں سے نیا عہد نامہ بھی ہمیں اس طریق کی جانب متوجہ کرتا ہے جس سے بنی اسرائیل کی شریعت کی تکمیل عہد جدید میں ہوئی تھی۔ عہد عتیق کے مطابق بنی اسرائیل اس لئے پابند شریعت ہیں، کیونکہ خدا نے انہیں اپنی قوم بنایا اور وہ شریعت خدا کی قوم کی شریعت ہے۔ "خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا" (خروج ۲۰: ۲-۳) شریعت کی اس لئے فرمانبرداری کرنی چاہیئے کیونکہ وہ اس قوم کی شریعت ہے جو خدا کی ملکیت ہے۔

لیکن "ملکیت" کا خیال اپنی تکمیل کو مسیح خداوند ہی میں پاتا ہے، جس نے اپنا خون بہا کر ایک نیا عہد قائم کیا ہے۔ بنی اسرائیل اب محض خدا کی قوم کی حیثیت ہی نہیں رکھتے جو خدا کی ملکیت ہے بلکہ وُہ مسیح یسُوع کا جسم بن گئے ہیں۔ شریعت اب اُن کے باطن میں موجود ہے اور اُن کے دِلوں پر لکھی ہوئی ہے۔ (یرمیاہ ۳۱: ۳۳) عہد عتیق کے تحت کسی خاص طور و اطوار کے نمونہ پر زندگی بسر کرنا ہی بنی اسرائیل سے مطلوب تھا۔ عہدِ جدید کے تحت یسُوع مسیح میں رُوحانی نشوونما ہماری زندگی کی بُنیادی ضرورت ہے۔ مُقدس پولُوس فرماتا ہے کہ آج تک جب کبھی مُوسیٰ کی کتاب پڑھی جاتی ہے تو لوگوں کے اذہان پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ لیکن جب کبھی انسان کا دِل خداوند کی طرف پھرتا ہے تو وُہ پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ ہمارے بے نقاب چہروں سے خداوند کا جلال مُنعکس ہوتا ہے، اور ہم اُسی جلالی صُورت میں درجہ بدرجہ بدلتے جاتے ہیں (۲-کرنتھیوں ۳: ۱۵-۱۸) یہی وُہ اندرونی تبدیلی ہے، جس کی بدولت ہم فرمانبردار رہنے کے قابل بن جاتے ہیں۔

خداوند یسُوع نے اس بات کو صاف طور پر بیان کیا تھا کہ وُہ شریعت کو منسُوخ کرنے نہیں آیا بلکہ اُسے پُورا کرنے آیا ہے۔ لیکن اُس نے اس بات کو بھی صفائی سے کہہ دیا تھا کہ اس قسم کی تکمیل کے لئے بیرونی یا ظاہری پابندی اتنی ضرُوری نہیں جتنی کہ اندرونی راستبازی ضروری ہے۔ (متی ۵: ۱۷-۴۸)

محض قوانین کی پابندی شریعت کی تکمیل نہیں۔ اس کی تکمیل

صرف اُس صُورت میں ہوتی ہے، جب اس کے اصل مقصد کو جس کے پیش نظر وُہ تشکیل کی گئی تھی، پُورا کیا جاتا ہے۔ عہدِ عتیق کی شریعت اس واسطے دی گئی تھی تاکہ وُہ مسافرت کے دَور میں پُورا کرنے کا وسیلہ ٹھہرے۔ اگر اس مسافرانہ طرزِ زندگی کے خیال کو ترک کر دیا جائے تو شریعت کا اصل مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے۔ یسُوع نے زندگی کا سفر لوگوں کے سامنے رکھا اور شریعت کی تکمیل کی۔ لوگ مسافر ہیں اور اُن کے لئے اس بات کو ذہن نشین کرنا ضرُوری ہے کہ داخلہ تنگ دروازہ سے ہوگا، کیونکہ وُہ دروازہ تنگ ہے اور وُہ راستہ سُکڑا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے۔" (متی ۷: ۱۴)

یہ بات اہمیت سے خالی نہیں کہ یسُوع اور فریسیوں کے مابین اختلاف و تکرار کا سبب سبّت کا مسئلہ تھا۔ فقیہوں کے نزدیک محض سبّت کی تعظیم ہی شریعت کی تکمیل کا نشان تھا۔ سبّت کا دن اُن کی نظروں میں خُدا کے تکمیل شدہ کام کے نشان کی حیثیت رکھتا تھا۔ خُدا نے چھ دنوں میں آسمان اور زمین کو بنانا ختم کیا اور ساتویں دن فارغ ہوا (پیدائش ۲: ۱-۳) چنانچہ سبت کا دن اُنہیں "انجام کار" کی یاد دلاتا تھا۔ خُدا اُنہیں اس مقام پر لے آیا، جہاں وُہ جانا چاہتا تھا۔ یسُوع نے سبّت کو زیادہ گہرائی سے سمجھا۔ اُس کے نزدیک سبت کا دن سفر کی پیش قدمی کی علامت تھا۔ وُہ ایسے "آرام" کا تذکرہ کرتا ہے جو آنے والا ہے (عبرانیوں ۴: ۹) اور خداوند مسیح نے لوگوں سے کہا کہ وُہ باپ کے ساتھ جواب تک کام کرتا ہے اور جس نے آرام نہیں کیا، کام کریں۔ (یُوحنا ۵: ۱۷) پولس رسُول ایک خاص

فقرے میں اس طریق کا خلاصہ پیش کرتا ہے، جس سے عہد عتیق کی شریعت کی تکمیل عہد جدید میں ہوتی ہے "مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راستبازی ظاہر ہوتی ہے جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے" (رومیوں ۳: ۲۱)

دوسرے لفظوں میں شریعت کا اصل مقصد مسیح میں پورا ہوا اور اس طرح سے خدا کی راستبازی کا اظہار ہوا اور شریعت اس مظہر کی دائمی گواہ ٹھہری۔

بنی اسرائیل کی ہیکل:۔ جب اسرائیل ہی مسیح کا جسم بن گئے تو اس تبدیلی کا اثر نہ صرف اسرائیل کی شریعت پہ بلکہ اُن کی عبادت پر بھی پڑا۔ قوم اسرائیل کی عبادتی زندگی کا مرکز ہیکل اور اس کی مختلف قربانیاں تھا۔ نیا عہدنامہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ خداوند مسیح اس تمام عبادتی نظام کی تکمیل ہے۔ یسوع ایسا کاہن ہے جو ہیکل کی کہانت کو منسوخ بھی کرتا ہے اور پورا بھی کرتا ہے (عبرانیوں ۷) وہ مسیح کی قربانی ہے جو تمام قربانیوں کو منسوخ کرتا ہے اور پورا بھی کرتا ہے۔ (عبرانیوں ۹: ۱۵ تا ۱۰: ۱۴) وہ خود ہیکل ہے جو ہیکل کے نظام کو منسوخ کرتا ہے اور پورا بھی کرتا ہے (افسیوں ۲: ۲۰-۲۲)

یسوع نے کہا "اس مقدس کو ڈھا دو تو میں اسے تین دن میں کھڑا کر دوں گا" اور انجیل نویس یوں رقمطراز ہے کہ "اس نے اپنے بدن کے مقدس کی بابت کہا تھا" (یوحنا ۲: ۱۹-۲۱) کیا یہ بات باعث حیرت ہے کہ جس واضح کلام سے خداوند یسوع نے ہیکل کی تکمیل کا وعدہ کیا تھا وہی مسئلہ اس کے خلاف مقدمے کا ایک اہم الزام بن گیا۔

یہودی اُس کے کلام کے باطنی مفہوم کو تو نہ سمجھ سکے کیونکہ وُہ اُس کے طرزِ بیان کے رجحان ہی سے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔ بنی اسرائیل کی ہیکل کے نظام کا مقصد انسان اور خُدا کے مابین مصالحت پیدا کرنا تھا۔ اس کا مقصد انسان کو خُدا کے حضور پہنچانے میں رہنمائی کرنا تھا۔ اس کا مقصد خُدا کی قوم کی اُخوّت کو ظاہر کرنا تھا اور بالآخر اس کا مقصد اس بات کو ظاہر کرنا تھا کہ خُدا اسرائیل کے بیچ میں ہے چنانچہ یسُوع مسیح میں اِن تمام مقاصد کی تکمیل ہُوئی۔ انجیل نویس کتنی خُوشی سے اس بات کو ضبطِ تحریر میں لاتا ہے کہ جب یسُوع نے صلیب پر جان دی تو مقدس کا پردہ اُوپر سے نیچے تک پھٹ گیا (متی ۲۷:۵۱) کیونکہ اب نہ ہی کسی مادی اور نہ ہی کسی دیدنی مقدس کی ضرورت تھی۔

تاہم اس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ عہد عتیق کی یہ نبوّت جس کی تکمیل عہد جدید میں ہوتی ہے اور جس تکمیل کو عہد جدید بڑی صفائی اور مضبوطی سے بیان کرتا ہے، کسی بھی لحاظ سے بے پردہ حقیقت نہیں۔ یاد رہے کہ ساؤل ترسیسی نے اپنی تمام دماغی طاقت اور جسمانی ایذا رسانی کے اختیار اور سرگرمی سے اس کا انکار کیا تا وقتیکہ وُہ یسُوع سے خود دوچار نہ ہُوا۔ حقیقتاً صرف وُہی لوگ خُداوند مسیح کی تمام باتوں کی تکمیل تسلیم کرتے ہیں جو اُس سے خود دوچار ہُوئے ہوں اور جن کے لئے یہ ملاقات زندگی کا نیا پیام ثابت ہُوئی ہو۔

مثال کے طور پر یسُوع اُس ہندو ضمیر کی تکمیل نہیں ہو سکتا جس میں احساس تغیّر نہ ہو یا جو اثر پذیر ہونے کی صلاحیّت سے محرُوم ہو۔ ڈاکٹر ہاگ کا جو ہندوستان میں آنے والے مشنریوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں

یہ قول تھا کہ

"جب خداوند مسیح کسی شخص کے دِل پر گناہ کو بے نقاب کر دیتا اور اُس کے بارے خدا کا انصاف ظاہر کرنے میں اُس کی مدد کرتا ہے تو ناممکن ہے کہ وہ شخص خداوند مسیح کو زندگی کا واحد راستہ تسلیم نہ کرلے۔"

پادری پال رمیش صاحب مرحوم جنوبی ہند کے مشہور و معروف میتھوڈسٹ پادری تھے۔ اُن کے والدین ہندو برہمن تھے۔ میں نے پادری صاحب مرحوم کو بارہا کہتے سُنا تھا کہ اُنہیں مسیح "سیلون صاحب کی رہنمائی سے ملا" یہ اُن کے الفاظ تھے۔

(جی۔ ٹی۔ سیلون صاحب جنوبی ہند میں اینگلیکن مشنری تھے۔ بعد ازاں وہ کلیسیائے جنوبی ہند کے بشپ بھی مقرر ہوئے تھے) سیلون نے رمیش سے ایسی گہری دوستی رکھی کہ اُس کی قابلِ نمونہ زندگی کے اثر سے وہ بالکل تبدیل ہو گیا یعنی اُس نے اپنی زندگی کو یسوع مسیح کے قدموں میں رکھ دیا۔ سیلون کے آقا نے سیلون کے دوست کی زندگی کو فرشتہ سیرت بنا۔ رمیش نے یسوع کو راہِ زندگی کر لیا کیونکہ اُسے اپنی زندگی میں اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

یسوع مسیح کس طرح عہد عتیق کی تعلیمات کی تکمیل ہے؟ اس سوال کے جواب میں عہد جدید اپنی تمام تعلیمات کے حق میں یسوع کے اِن ذاتی افعال کو بطور ثبوت پیش کرتا ہے جو وہ اس وقت کرتا ہے۔ جب انسان کا اس سے آمنا سامنا ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر ہم عہد جدید کے واقعات کو محض عہد عتیق کے متن کی تکمیل تصور کریں تو دراصل ہم ایک زندہ تجربے کو

علم اقلیدس کے مسلّم الثبوت میں تخفیف کر رہے ہیں۔ صرف کامیاب ترین بشارت ہی ہمیں اس امر کا ثبوت مہیا کر سکتی ہے کہ یسوع نبوّت کی تکمیل ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم لوگوں کو یسوع سے ملانے میں اُن کی رہنمائی کریں۔

یُوحنّا بپتسمہ دینے والے نے اپنے شاگردوں کو یسوع کے پاس بھیجا اور اُن کی معرفت یسوع سے یہ سوال پُوچھا۔ "کیا آنے والا تُو ہی ہے یا ہم دُوسرے کی راہ دیکھیں؟" یسوع نے اُن سے جواب میں کہا۔ "جو کچھ تم سُنتے ہو اور دیکھتے ہو جا کر یُوحنّا سے بیان کرو کہ اندھے دیکھتے اور لنگڑے چلتے پھرتے ہیں۔ کوڑھی پاک صاف کئے جاتے اور بہرے سُنتے ہیں اور مُردے زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور غریبوں کو خوشخبری سُنائی جاتی ہے اور مُبارک وُہ ہے جو میرے سبب سے ٹھوکر نہ کھائے۔" (متّی ۱۱: ۲-۶)

بنی اسرائیل کی اُمید :- "تم میرے حق میں کیا کہتے ہو؟" یہ وُہ سوال تھا جو یسوع بار بار اُن لوگوں سے پُوچھتا تھا جو اُس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ یہ ایسا سوال ہے جو عہدِ عتیق کے پاک نوشتوں کی نبوّتی خصلت کی بنا پر پیدا ہوتا ہے، کیونکہ پاک نوشتوں میں نہ صرف اس یقین کی پختگی پائی جاتی تھی کہ خُدا نے بنی اسرائیل کی خاطر اپنے عہد میں جو کچھ مقرّر کیا تھا، اُس کی وُہ جلالی تکمیل کرے گا مثلاً اُس کی بلاہٹ، اُس کی تواریخ، اُس کی شریعت اور اُس کی ہیکل، بلکہ اس سے زیادہ ایک اور یقین یہ بھی تھا کہ خُدا کے ممسوح کی آمد کے وسیلہ سے یہ جلالی تکمیل عمل میں آئے گی اور خُدا کے

ممسوح کا رتبہ ابرہام، یعقوب، موسیٰ اور داؤد سے بلند ہوگا۔
وہ خدا کا برگزیدہ بیٹا اور ایماندار خادم ہوگا۔
کتنی ہی صفائی کے ساتھ انجیل مقدس مسیح سے متعلق اس اُمید کی گواہی دیتی ہے:-

"تمہارا باپ ابرہام میرا دن دیکھنے کی اُمید پر بہت خوش تھا۔ چنانچہ اُس نے دیکھا اور خوش ہوا۔ پیشتر اس سے کہ ابرہام پیدا ہوا مَیں ہُوں"۔ (یوحنا ۸: ۵۶، ۵۸)

"عورت نے اُس سے کہا..... "کیا تو ہمارے باپ یعقوب سے بڑا ہے جس نے ہم کو یہ کنواں دیا؟"..... یسوع نے جواب میں اُس سے کہا..... جو کوئی اُس پانی میں سے پئے گا جو مَیں اُسے دوں گا وہ اَبد تک پیاسا نہ ہوگا"۔ (یوحنا ۴: ۱۱-۱۴)

"تمہاری شکایت کرنے والا تو ہے یعنی موسیٰ جس پر تم نے اُمید لگا رکھی ہے کیونکہ اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے اس لئے کہ اُس نے میرے حق میں لکھا ہے"۔ (یوحنا ۵: ۴۵-۴۶)

"مسیح کو کس طرح داؤد کا بیٹا کہتے ہیں؟ داؤد تو..... آپ کہتا ہے کہ خداوند نے میرے خداوند سے کہا، میری دہنی طرف بیٹھ"۔ (لوقا ۲۰: ۴۱-۴۲)

"اِس پر تاکستان کے مالک نے کہا کہ کیا کروں؟ مَیں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجوں گا، شاید اُس کا لحاظ کریں"۔ (لوقا ۲۰: ۱۳)

"تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ:۔ دیکھو یہ میرا خادم ہے، جسے مَیں نے چنا۔ میرا پیارا جس سے میرا دل

خُوش ہے۔" (متی ۱۲: ۱۷-۱۸)

جب کبھی یہُودی لوگ اپنی تواریخ کے مُختلف فیصلہ کُن مراحل پر توجہ ڈالتے تھے تو اُن میں اُنہیں ایک مُستقبل کے واقعہ کے متعلق وعدہ ملتا تھا اور اُس واقعہ کی جھلک بھی نظر آتی تھی۔ اس واقعہ کی اُمید کی بنا پر ہی بنی اسرائیل جلاوطنی سے لوٹ کر اور ایک منظم قوم کی صُورت میں بحال ہو کر ایک طویل عرصہ تک زندہ رہے تھے۔ ایک صُورت میں عزراہ کے تحت اُن کی دوبارہ بحالی پر اُن کی قومی زندگی کی داستان ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سرگذشت ابرہام کی بلاہٹ سے شرُوع ہو کر بابل میں جلاوطنی سے واپسی تک چلی جاتی ہے۔ اہل یہُود کے نزدیک اب صرف ایک آخری کام کرنا باقی رہ گیا تھا۔ وُہ یہ کہ اُنہیں اسرائیل کی تسلّی کا انتظار کرنا تھا اور اس کے لئے دُعا مانگنی تھی۔ (لُوقا ۲: ۲۵) اور وُہ مسیح کی آمد تھا۔

عہد جدید اس اُمید کی تکمیل کا بیان پیش کرتی ہے۔ تواریخ اسرائیل کے ایک نازک اور فیصلہ کُن مرحلہ پر یسعیاہ نبی نے پیشنگوئی کی تھی، کہ ایک بچّہ پیدا ہوگا جو سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ (یسعیاہ ۷: ۱۴، ۹: ۶) اور یسُوع میں اُس سلامتی کے شہزادے کی آمد پُوری ہُوئی، جو خُدا کی طرف سے ہر مشکل کا حل ہے۔ اور وُہ عمانوئیل یعنی خُدا ہمارے ساتھ" کا نشان ہے (متی ۱: ۲۱-۲۳)

جب یروشلیم کی ہیکل تعمیر ہو رہی تھی تو کان سے بھیجے ہُوئے پتھروں میں ایک ایسا بے ڈول اور بدوضع پتھر بھی شامل تھا، جسے معماروں نے بار بار ردّ کر دیا تھا۔ اچانک اُنہیں خیال آیا کہ یہ پتھر کونے کے

سرے کا پتھر ہونے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس تجربہ سے ایک ضرب المثل بن گئی تھی اور وہ اہلِ یہود کو متنبہ کرتی تھی کہ خدا کی عشش ایک ایسی شکل اختیار کر سکتی ہے جس کی بابت اُنہیں گمان بھی نہ ہو (زبور ۱۱۸: ۲۲-۲۳) نیا عہدنامہ جب یسُوع کی بابت احوال بیان کرتا ہے تو وُہ اس ضرب المثل کے انتباہ کو خاص طور پر ملحُوظِ خاطر رکھتا ہے۔ یہ بات کتنی ہی عجیب ممکن معلوم دیتی تھی کہ ناصرت کا یہ بڑھئی خُدا کا ممسُوح بیٹا ہو اور تاکستان کے باغبانوں کو اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ جس نوجوان کو اُنہوں نے رّد کیا وُہ درحقیقت خُدا کا بھیجا ہُوا شخص تھا (مرقس ۱۲: ۱-۱۱)

جلاوطنی کی تکلیف اور اندوہ وغم میں یہُودیوں نے نبی کی معرفت (نجات دہ تکلیف) REDEMPTIVE SUFFERING کے اصل مفہوم کو سیکھا۔ یسُوع کی آمد پر اُن لوگوں نے جو رُوحانی چشم وبصیرت کے حامل تھے اُس کی شخصیت میں اس تصویر کی تکمیل کو دیکھا اور پہچانا جو خُداوند مسیح کی بابت یسعیاہ ۵۳ باب میں پیش کی گئی ہے۔ (متی ۸: ۱۷- لُوقا ۲۴: ۲۷)

کیونکہ شریعت جس میں آئندہ کی اچھی چیزوں کا عکس ہے اور ان چیزوں کی اصلی صُورت نہیں، اُن ایک ہی طرح کی قربانیوں سے جو ہر سال بلا ناغہ گذرانی جاتی ہیں، پاس آنے والوں کو ہرگز کامل نہیں کر سکتی..... اس لئے وُہ (مسیح) دُنیا میں آتے وقت کہتا ہے کہ..... "دیکھ میں آیا ہُوں..... تاکہ اَے خُدا! تیری مرضی پُوری کرُوں..... اُسی مرضی کے سبب سے ہم یسُوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلہ سے پاک کئے گئے ہیں۔" (عبرانیوں ۱۰: ۱-۱۰)

اس طویل بحث میں ہم نے اُن تمام ذرائع پر غور کرنے کی کوشش کی ہے جن کے وسیلہ سے خُدا کے عہد کے تمام پہلُو جو تواریخ بنی اسرائیل میں مُندرج ہیں، خُداوند مسیح کی پاک ہستی میں تکمیل پاتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بحث کس حد تک سُود مند ثابت ہوئی ہے؟ اس بحث میں ہمارا مقصد صریحاً یہ تھا کہ ہم اُس صداقت کے احساس کے مفہوم کو پہچان سکیں جو اُن لوگوں کو محسُوس ہوا تھا (جن کا یسُوع سے سامنا ہوا) جب وُہ لوگ یسُوع کے رُوبرُو کھڑے ہوئے تھے، تو انہیں محسُوس ہوا کہ یسُوع کی ہستی میں خُدا اور انسان کے مابین تعلّقات کی مکمل تواریخ موجُود ہے۔ یسُوع میں انسان کی خاطر خُدا کی ابدی مرضی موجُود تھی۔ اُس میں ہر بچّہ کی خاطر جسے خُدا نے خلق کیا ہے، خُدا کی دائمی فکر ظاہر ہوتی تھی۔ اِس میں ہر انسان کی زندگی کی بابت خُدا کے ناگزیر سوالات موجُود تھے۔ خُداوند مسیح ہی میں خُدا کی وُہ قُربانی بھی موجُود تھی جو اُس نے انسان کی بلند ترین اُمیدوں کو پُورا کرنے کی غرض سے پیش کی تھی۔ بنی اسرائیل اور زمین کی تمام اقوام جو خُدا کے ذہن میں اُس وقت تھیں جب اُس نے اسرائیل کو بُلایا، اب تکمیل کی گھڑی کو دیکھ رہی تھیں۔ چنانچہ خُداوند مسیح میں خُدا کی بادشاہی اُن کے پاس آگئی تھی۔

باب ششم

ہم کس کے پاس جائیں؟

"اَے صیّوُنی! جو یروشلیم میں بسے گی تُو پھر نہ روئے گی۔ وُہ تیری فریاد کی آواز سُن کر یقیناً تجھ پر رحم فرمائے گا۔ وُہ سُنتے ہی تجھے جواب دے گا۔ اور اگرچہ خُداوند تجھ کو تنگی کی روٹی اور مُصیبت کا پانی دیتا ہے تو بھی تیرا معلّم پھر تجھ سے رُوپوش نہ ہو گا بلکہ تیری آنکھیں اُس کو دیکھیں گی اور جب تُو دہنی یا بائیں طرف مُڑے تو تیرے کان تیرے پیچھے سے یہ آواز سُنیں گے کہ راہ یہی ہے اس پر چل"۔ (یسعیاہ ۳۰: ۱۹-۲۱)

"راہ اور حق اور زندگی مَیں ہُوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا"۔ (یُوحنّا ۱۴: ۶)

اس سلسلۂ کُتب کی ایک آئندہ اشاعت میں ہم خُداوند یسُوع مسیح کی زندگی کی کہانی اور اُس کی زندگی کے اصل مفہوم پر غور و خوض کریں گے۔ جس طرح کہ انفرادی طور پر چاروں اناجیل اور مجموعی طور پر پُورا نیا عہد نامہ اس کہانی کو ہماری خاطر پیش کرتا ہے، تاہم ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم مطالعۂ بائبل کے پہلے حصّے کو مکمل کریں یعنی خُداوند یسُوع مسیح کے بارے اناجیل کی گواہی پر پہلی نظر ڈالیں۔ عہد عتیق

یسوع کی جانب لامحالہ اشارہ کرتی ہے۔ عہدِ جدید یسوع کی داستان کو اولاً اِن سوالات کے متن میں پیش کرتی ہے جو خُداوند یسوع نے خود پُوچھے تھے۔ اور دوم ایسے بحث و مُباحث پر مبنی کرتی ہے جو یسوع کی زندگی کو ہر وقت گھیرے ہُوئے تھے۔ دورِ حاضرہ میں ہم پر جو کتاب مُقدس کا مطالعہ کرتے ہیں، اس مکمل انجیلی گواہی کا کیا اثر ہے؟

مَیں ایک مرتبہ بشارتی دورہ کرنے شمالی لنکا گیا، جہاں ایک مسیحی شفاخانہ تھا۔ مَیں مُقامی پاسبان کے گھر ٹھہرا ہُوا تھا۔ چنانچہ ایسا ہُوا کہ پہلے روز ہی رات کے تقریباً دس بجے کوئی شخص وہاں آ موجود ہُوا اور کہنے لگا: "مجھے خبر ملی ہے کہ جناب نائلز صاحب یہاں پہ ٹھہرے ہُوئے ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟ مَیں جب باہر نکلا کہ دیکھوں یہ کون شخص مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو وہی پیغام رساں مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "شفاخانہ میں ایک شخص آپ سے ابھی ملنا چاہتا ہے۔" مَیں فوراً شفاخانہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہُوں کہ میرا ایک پُرانا ہم جماعت جس نے عرصہ تیس برس پہلے میرے ساتھ تعلیم پائی تھی، میرا انتظار کر رہا ہے۔ ہم دونوں نے اسکول کی زندگی کے ابتدائی پانچ سال تک اکٹھے ہی تعلیم حاصل کی تھی۔ مَیں نے اُس شخص سے کہا "ہاں تو راجا بنگم، مَیں نے سُنا ہے کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو"۔ اُس نے جواب دیا: "میری بیوی اس وقت بسترِ مرگ پر پڑی ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ میرے اور میری بیوی کے ساتھ دُعا مانگیں۔" فی الفور مَیں وارڈ میں داخل ہو گیا اور کیا دیکھتا ہُوں کہ وہ عورت اپنا آخری دم توڑ رہی ہے،

لیکن دُعا کرنے سے پہلے مَیں نے مُڑ کر اپنے دوست کی جانب نظر پھیری۔ مَیں اُس سے ایک سوال کرنے ہی لگا تھا کہ اُس نے میرے مافی الذہن کو بھانپ لیا اَور بولا:۔ "مَیں ایک ہندو ہُوں، لیکن مجھے معلُوم ہے کہ ایسے موقع پر ہمیں جس مذہب کی ضرورت ہے، وُہ وُہ مذہب ہے جس کی بابت لڑکپن میں ہم دونوں نے جافنا سینٹرل کالج میں تعلیم پائی تھی۔ مَیں آپ سے التجا کرتا ہُوں کہ آپ میرے واسطے اَور میری بیوی کے واسطے خُداوند مسیح کے حضُور دُعا مانگیں"!

انجیل کی داستان میں ہمیں ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے جہاں وُہ لوگ جو اتفاقاً خُداوند مسیح کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے، واپس چلے گئے تو خُداوند مسیح نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر پُوچھا۔ "کیا تُم بھی چلا جانا چاہتے ہو؟ پطرس نے اِن سب کے عوض جواب دیا کہ "اَے خُداوند! ہم کس کے پاس جائیں؟ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے ہی پاس ہیں"۔ (یُوحنّا ۶: ۶۷-۶۸)

فی الحقیقت خُداوند مسیح کے سوا اَور کوئی دُوسری ہستی موجود ہی نہیں جس کے پاس ہم جا سکتے ہیں۔ جس شخص نے خُداوند مسیح سے سچے دِل سے مُلاقات کی، اُس کی زندگی کے لئے وُہ واحد راہ بن جاتا ہے اَور جن لوگوں نے اُس کو اپنی زندگی میں پایا لیکن اُس کی پیروی نہیں کی وُہ بھی اُس کی بابت بڑی سنجیدگی سے فکرمند ہیں۔ حتیٰ کہ جو لوگ یسُوع کو قبُول کرنے سے قطعی طور پر انکار کرتے ہیں، وُہ بھی اُس کی بابت اپنے دِلوں میں فکر محسُوس کرتے ہیں کیونکہ وُہ بھی اُسے چھوڑ نہیں سکتے۔ یسُوع نے کہا تھا "دیَیں

اگر زمین سے اُونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا"۔ (یوحنا ۱۲ : ۳۲) اور وہ یقیناً ایسا کرتا ہے۔

خداوند یسوع ایسے لوگوں کو ایک خاص فیصلہ کے لئے آمادہ کر دیتا ہے اور اس مرحلہ پر اُن کے لئے فیصلہ کرنا لازمی امر ہے۔ یسوع یا تو وہ منزل ہے جس کی جانب اُنہوں نے گامزن ہونا ہے یا وہ ایسی منزل ہے جس سے اُنہوں نے اُلٹے قدم دُور ہوتے جانا ہے۔

اس باب میں ہماری کوشش جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یہ ہوگی کہ ہم اناجیل کے مرقومہ بیانات پر اپنی پہلی نظر ڈالیں۔ وہاں ہمارے سامنے ایک ایسی زندگی کا ڈراما پیش کیا گیا ہے جو عرصہ دراز گُذرا بسر کی گئی تھی۔ وہ ایسا ڈرامہ ہے جو جسمانی نظروں سے محض دیکھا نہیں جاتا، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو کوئی اس ڈرامے کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اُس کے دل میں یہ خواہش مجبُوراً اُبھر آتی ہے کہ وہ بھی اس ڈرامے میں حصّہ لے۔ اناجیل ہمیں محض یسوع کی زندگی کے واقعات کی کہانی نہیں سُناتیں بلکہ وہ اس کہانی کو ہمارے وجُود کے مرکز میں اثر انداز کر دیتی ہے۔ اناجیل اربعہ یسوع کی سوانح عمری نہیں بلکہ وہ مجمُوعی طور پر ایک اعلان کی صُورت رکھتی ہیں۔ وہ کلیسیا کی مُنادی کے تحریری بیانات ہیں۔ وہ اس اعلانِ عام کی صُورت رکھتے ہیں، جس کی بدولت مسیحی کلیسیا تمام دُنیا پر چھا گئی۔

مُقدس مرقس کی انجیل میں پطرس کی ملاہٹ سے جُداگانہ موضوع کی ابتدا ہوتی ہے۔ پندرہ تمہیدی آیات کے بعد انجیل کا بیان پطرس

کی بُلاہٹ سے شروع ہوتا ہے اور وہ اس قابلِ ذکر دن کا بیان کرتی ہے جو پطرس نے اپنے خداوند کے ساتھ گذارا تھا۔ یسوع گلیل کی جھیل کے کنارے چلتے چلتے پطرس کے پاس پہنچا۔ اس جھیل کے کناروں سے خداوند یسوع بخوبی واقف تھا۔ جب وہ پطرس کے قریب پہنچا تو اُس نے اُسے اپنے روزمرہ کے کاروبار میں محو پایا اور جب اُس نے پطرس کو شاگرد بنانے کی غرض سے بُلایا تو پطرس کی پہلی زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ ایک نیا انسان بن گیا۔

"میرے پیچھے چلے آؤ تو مَیں تم کو آدم گیر بناؤں گا" (مرقس ۱:۱۷) انہی الفاظ کے سبب سے پطرس کی زندگی دو حصّوں میں مُنقسم ہو گئی :- آدم اور ابنِ آدم۔ یہی وہ موضوع ہے جس پر مُقدّس مرقس کی انجیل کا دارومدار ہے۔

مقدّس متّی کی انجیل ایک یہودی گروہ کی گواہی سے وجود پذیر ہوئی۔ اس گروہ کے ارکان یروشلیم میں ایک مسیحی کلیسیا کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ لوگ اس بات کا اقرار کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ خداوند یسوع فی الحقیقت مسیح ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے اِن لوگوں کی حیثیت ایک اقلیت کے برابر ہو گئی تھی، جس پر اکثریت غیر وفاداری کا شبہ کرتی تھی۔ اِن لوگوں پر یہ جُرم عاید تھا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہودی نوشتوں کی تکمیل ہو چکی ہے اور یہ بھی کہ خدا کے مسیح کی آمد واقع ہو چکی ہے۔

"جس پتھر کو معماروں نے رَدّ کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہُوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے، اس لئے

میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے، دے دی جائے گی"۔ (متی ۲۱: ۴۲ تا ۴۳)
اسرائیل، نئی اسرائیل اور مسیح، یہی وہ مرکزی خیال ہے جس پر مقدس متی کی انجیل کا دار و مدار ہے۔

مقدس لوقا کی انجیل کے بیان کا روئے سخن روم کی جانب ہے۔ یہ ایمان کی بابت پولس رسول کا وہ اعلان ہے جس کی بدولت اُس پر قیصر روم کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ خدا کی بادشاہی آچکی تھی۔ انجیل میں دنیا کی تمام اقوام کو توبہ کرنے کی منادی کی جاتی ہے۔
"یوں لکھا ہے کہ مسیح دکھ اُٹھائے گا اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھے گا اور یروشلیم سے شروع کر کے سب قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی اُس کے نام سے کی جائے گی" (لوقا ۲۴: ۴۶-۴۷)
اقوام عالم اور خدا کی بادشاہی، یہی وہ خیال ہے جس پر مقدس لوقا کی انجیل کا دار و مدار ہے۔

مقدس یوحنا کی انجیل رنگ، دیر اور حدود کے امتیازات سے بالا ہے۔ اس کی ابتدا کلام اللہ سے ہوتی ہے یعنی کلام خدا کے ساتھ جو بذات خود خدا تھا اور جو مجسم ہوا۔ اور وہ انجیل نویسی کے اس اعلان سے ختم ہوتی ہے کہ "یہ اس لئے لکھے گئے کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اور ایمان لا کر اُس کے نام سے زندگی پاؤ"۔ (یوحنا ۲۰: ۳۱) یسوع کی آمد سے جو خدا کا ایک عظیم الشان فعل تھا، تمام جہان کا تعلق ہے۔ دنیا اور خدا کا کلام (کلمتہ اللہ) یہی وہ خیال ہے جس پر مقدس یوحنا کی انجیل کا

دارومدار ہے۔

جب ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اُن کی گواہی پر اپنی توجہ کو مبذول کرنا چاہیئے، کیونکہ وُہ مجموعی طور پر محض یسُوعؔ کی زندگی کا احوال نہیں بلکہ اس سے زیادہ وُہ یسُوعؔ کی بابت گواہی دیتی ہیں۔ اُن کی گواہی اس امر کی تائید کرتی ہے کہ یسُوعؔ ابنِ آدم اور ابنِ خُدا ہے۔ وُہ پاک نوشتوں کا اور تمام اقوام کا خُداوند ہے۔ یہ چاروں مضامین انجیل کی کہانی میں ایک دُوسرے سے بے حد قریب ملے ہوئے ہیں اور جس طرح وُہ کہانی رفتہ رفتہ عیاں ہوتی جاتی ہے، ہر ایک مضمون ہر انسان سے یہ سوال پُوچھتا ہے "تم مجھے کیا کہتے ہو؟" اور ہر شخص کو اس سوال کا جواب بعد ازاں دینا ہی پڑتا ہے۔

میرے مُلک کے باشندے زیادہ تعداد میں بُدھ مت کے پیروکار ہیں۔ مہاراج کمار سدّارتھا (چھٹی اور پانچویں صدی قبل از مسیح)، جو بعد ازاں بُدھ بنا (یعنی وُہ شخص جس کا ذہن علم و عرفان سے منوّر ہو گیا ہو) ان لوگوں کے نزدیک انسانوں میں ایک چیدہ انسان کی حیثیت رکھتا ہے۔ وُہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ مہاتما بُدھ نے تمام انسانوں سے پہلے مقصدِ حیات کے مسئلہ کو سمجھا اور اُس کی وضاحت کی۔ یہ لوگ بُدھ کی تعلیم کو پھیلانے اور اُس کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مہاتما بُدھ نے تعلیم دی کہ انسان کو چاہیئے کہ وُہ اپنی زندگی کو اپنا دُشمن تصوّر کرے اور سینہ سپر ہو کر اس پر غالب آئے۔ انسان کو چاہیئے کہ وُہ زندگی کے حوادث و افکار

اور جذبات سے اپنے آپ کو بالا رکھے اور اس طرح دُنیوی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرے تاکہ دوبارہ حاصل کئے ہوئے چین اور اطمینان سے زندگی بسر کی جائے۔ زندگی کی غلامی سے آزاد ہو جائے اور موت اور زندگی کے لامتناہی سلسلہ سے انسان ہمیشہ کے واسطے نجات پالے۔ لنکا میں مہاتما بدھ کی تصویر یا مجسّمہ ایک عام مشاہدہ ہے۔ اس کی آنکھیں بیرونی دُنیا سے ہمیشہ کے لئے بند ہیں، اس کا سر سیدھا ہے اور اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ تبسّم کھیل رہا ہے۔ اس کے آمن سے یُوں معلوم دیتا ہے کہ اُس کے لئے زندگی کوئی مسئلہ نہیں۔ وُہ مہاتما بدھ ہے جس کا ذہن علم و عرفان اور دانش مندی سے منوّر ہے۔ کئی مرتبہ جب میں بُدھ کے مجسّمہ کے قریب سے گذرتا ہوں اور بُدھ مت کے پیروکاروں کو محوِ پرستش دیکھتا ہوں اور پھر اچانک میری نظر ایک مسیحی گرجا گھر پر پڑتی ہے، جس کی چھت پر صلیب ایستادہ ہے تو میں اس سوال پر غور و خوض کرنے لگ جاتا ہوں کہ "اِن دونوں میں سے کونسا حقیقی ابنِ آدم ہے؟ کیا وُہ شخص جس نے زندگی پر فتح پائی یا کہ وُہ ہستی جو موت پر غالب آئی؟ کیا وُہ شخص جس نے دُکھ اور تکلیف سے کنارہ کیا یا کہ وُہ جس نے اس کا علاج کیا؟ کیا وُہ پُر تمکنت بُدھ جو سکونِ قلب کی حالت میں لُطف اندوز ہو رہا ہے یا کہ ناصرۃ کی وُہ ہستی جسے سر رکھنے کو جگہ نہ ملی اور بالآخر اُس نے اپنا سر صلیب پر رکھ دیا؟ اِن دو شخصیّتوں کا موازنہ کرنے سے ہمارے ذہن میں

یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کا سچا حل کون ہے؟ کیا وہ چین و تسکین جو تمام خواہشات سے بالا ہے یا کہ دوسروں کے دکھوں کو اٹھانے کا غم؟ "تم مجھے کیا کہتے ہو"؟ یہ سوال یسوع ہم سے پوچھتا ہے اور یہ سوال بدھ مت کی ہر ایک تعلیم کے مقابل ایک عظیم الشان چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ خداوند یسوع خدا کا بیٹا ہے لیکن اہل اسلام کے نزدیک یہ اعتقاد کفر کی حیثیت رکھتا ہے۔ "خدا خدا ہے اور انسان انسان ہے، اور یسوع انسان تھا۔ وہ ایک نبی تھا جو خدا کے روح سے منوّر تھا اور جس کو خدا کا کلام سپرد کیا گیا تھا۔ تاہم وہ محض ایک نبی تھا۔ یسوع دیگر انبیا سے عظیم نہ تھا، کیونکہ حضرت محمدؐ خاتم النبیین اور سب انبیا میں عظیم ہیں۔" اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ حضرت محمدؐ خدا کا آخری پیغام جو اُس کی ذات پاک اور اُس کے مطالبات کی بابت تھا، لے کر آئے اور اُنہوں نے روئے زمین پر ایسی اخوّتِ انسانی کی بنیاد رکھی جس میں کثیر التعداد انسان شامل کئے جا سکتے ہیں۔ اُنہوں نے ایک ایسی شریعت کو منظم کیا جس سے انسانی زندگی کی تربیت کی جا سکتی ہے۔ اسلام اُسی حد تک یسوع کی مخالفت کرتا ہے جس حد تک یہودیت کرتی تھی۔ لیکن یہ مخالفت اس وجہ سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے کہ جہاں فریسی تمام غیر قوموں کو یہودیت میں داخل ہونے سے باز رکھتے تھے وہاں اسلام تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اُس کے حلقہ میں داخل ہوں۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر اسلام کے مقابل ایک مسیحی مبشر کا

فرض یہ ہونا چاہیئے کہ :-

اوّل :- وُہ خُدا کے اس طریق کی بابت تیقّن سے مُنادی کرے جس طریق سے خُدا انسانی ماحول میں فضل سے معمُور ہو کر داخل ہوُا اور انسان سے شرکت کی۔

دوم :- وُہ اس بات کا اظہار کرے کہ خُدا کا رحم صرف انسان پر ظاہر کئے ہوُئے کلام کی صُورت میں نہیں بلکہ نجات دہندہ کی موجُودگی سے انسانوں کو میسّر ہوتا ہے۔

سوم :- وُہ اس امر کا اظہار کرے کہ انسان کا فرض محض شریعت کی تابعداری نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ انسان شریعت کی گرفت سے آزاد ہو کر خُوشی اور مسرّت حاصل کرے۔

چہارم :- وُہ اس بات کو ظاہر کرے کہ مسیحیّت محض ایمانداروں کی اُخوّت نہیں بلکہ ایک کلیسیا ہے، جس کے وسیلے خُدا کام کرتا رہتا ہے۔ جب ہم اہلِ اسلام کے سامنے خُداوند یسُوع کی بابت علی الاعلان مُنادی کرتے ہیں کہ وُہ خُدا کا بیٹا ہے تو ہماری بحث کے موضُوع کا تعلّق خُدا کی نجات بخش سیرت سے ہونا چاہیئے۔

صلیب کے پیغام میں ابنِ آدم کی ہستی کو بدھ مت کے پیروکاروں کے سامنے پیش کرنا اُسی قدر مشکل کام ہے جس قدر اہلِ اسلام کی توجّہ کو بیت اللّحم کے سرائے کی جانب مبذُول کرانا مشکل ہے جہاں وُہ خُدا کے بیٹے کو دیکھ سکیں۔ صبح سویرے، بعد دوپہر اور شب کو ہر ایک مسجد کے منار سے یہ آواز گونج اُٹھتی ہے "اللہ اکبر..... محمد الرسول اللہ۔" اس اذان کے بالمقابل بیت لحم کے بچّے کا یہ سوال سامنے آجاتا ہے کہ:-

"تم مجھے کیا کہتے ہو؟ یہ سوال اسلامی نقطۂ نظر سے ایک معمہ ہے۔
میرے ملک میں مسیحیوں کو "ویداکرار[1]" کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم "اہل کتاب[2]" ہے۔ اور ہندو لوگ ہم مسیحیوں کو اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں چار وید ہوتے ہیں جو اُن کی مذہبی کُتب ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ لوگ ہم مسیحیوں کو "ویداکرار" کہتے ہیں۔ یہ بات بہت کچھ اُس بات سے ملتی جُلتی ہے، جب یہودی لوگ مسیحیوں کو "اہل طریقت" (PEOPLE OF THE WAY) کہا کرتے تھے۔
یہ باہمی مُشابہت اِس تعلّق کی علامت ہے جو مسیحیت اور ہندو دھرم کے مابین نظر آتا ہے، اور جس سے مسیحیّت کی اصل پوزیشن بمقابلہ ہندو دھرم ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ کہ خُداوند یسُوع کتابِ مقدّس کے بیان کے مطابق المسیح ہے، ایک طریق سے اِس خیال کی تائید کرتا ہے کہ ہندو دھرم کو بھی ہندُو شاستروں کے مطابق اُس کی حیثیّت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن جس لمحہ اہل نظر خُداوند یسُوع کی اس حیثیّت کو ہندُو دھرم کے مذہبی تجربات اور تعلیمات کے مطابق قرار دینے لگتے ہیں تو اس کا وجُود ہندو دھرم کی مرکزی تعلیمات سے مُتضاد نظر آنے لگتا ہے۔
ہندُو دھرم کی تعلیم کے مطابق ہر انسان کا مذہب سچائی کے کسی نہ کسی مرحلہ پر ہوتا ہے۔ کوئی مذہب کلیتاً باطل نہیں ہوتا، جب تک کہ وُہ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ وُہی واحد طور پر سچّا اور کامل مذہب ہے۔ انسان کی مذہبی تلاش جو خُداوند یسُوع کے وسیلہ سے تکمیل پاتی ہے، اِن تمام حلّوں سے متضاد ہے جو انسان خود اپنی ذہنی کاوش کے وسیلہ سے اپنے مسائل کو حل کرنے کی غرض سے مرتّب کرتا ہے مسیح یسُوع اور

[1] VEDAKARAR
[2] PEOPLE OF THE SCRIPTURES.

مذہب نسائی کے مابین ہی وُہ امر التضاد ہے جس پر ایک مسیحی اور ایک ہندو کو آپس کی گفتگو میں بحث کرنی چاہیئے۔ "مذہب پرست" انسان یسُوع کی تعلیم کو اُس وقت تک قبُول کرنے کو تیار ہوتا ہے جب تک کہ اُس سے یہ سوال نہیں پُوچھا جاتا کہ "تم مجھے کیا کہتے ہو؟" اس سوال کے جواب میں مذہب پرست فقط ایک ہی جواب دینے کے قابل ہوتا ہے کہ اس سوال کو احمقانہ تصوّر کر کے ردّ کر دیا جائے۔ فی الحقیقت یہ کہنا بھی درست ہو گا کہ ایک ہندو مندر کے سامنے خداوند یسُوع کے سوال کی نوعیّت ایسی ہی ہے جیسی کہ بھینس کے آگے بین بجانا۔

بُدھ مت، اسلام اور ہندو دھرم ہمارے مُلک کے باشندوں کے مُستقل طریق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ طریق ماضی کے واقعات سے تعلّق رکھتے ہیں اور ان کا مُقابلہ ہر ایک نوخیز کلیسیا کو اُس وقت کرنا پڑتا ہے، جب وُہ قوم کے تمام افراد کو تعلیم دیتی ہے کہ خداوند یسُوع کو پہچانیں، اُس سے محبّت رکھیں اور اُس کی فرمانبرداری کریں لیکن ایک امر "مُستقبل" بھی موجود ہے جو ہمارے ممالک میں کثیر التعداد پیرو کار طلب کر رہے ہیں یعنی نظام اشتراکیّت (COMMUNISM) کے پیغام نے ایسے کئی کانوں تک رسائی حاصل کی ہے جو اُسے قبُول کرنے کو تیار ہیں اور جن ممالک کے لوگوں نے اظہار تسلّی سے وقت کو اپنی گرفت سے گذرنے دیا تھا، اب اُن کے اذہان اس نئے اور دل کش نغمے سے بیدار ہو گئے ہیں۔ یہ نغمہ اس امر کی اُمید دلاتا ہے کہ مُستقبل انسان اور خاص طور پر عوام الناس کے ہاتھ میں ہو گا اور اس روشن مُستقبل

کو حاصل کرنے کا واحد طریق اشتراکیت ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مُستقبل کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ ایک مسیحی کو اس بات کا یقین کامل ہے کہ خُداوند مسیح کے اختیار میں ہے نہ کہ اشتراکیت کے۔ مسیحی کلیسیا کے عقیدہ میں صرف ایک ہی مقام پر ہمیں زمانہ مستقبل کا سُراغ ملتا ہے کہ "وہ جلال کے ساتھ زندوں اور مُردوں کی عدالت کے لئے پھر آنے والا ہے۔ اُس کی سلطنت ختم نہ ہوگی"۔ یسُوع خُداوند ہے۔ وُہ تمام قوموں کا خُداوند ہے۔ وُہ تمام حکومتوں اور اختیار والوں سے بلند و بالا ہے، اور مُستقبل اُس کے اختیار میں ہے۔ یسُوع کوئی ایسی ہستی نہیں جس کے گِرد لوگ جمع ہوتے ہیں تاکہ اُنہیں اُس کے زیرِ سایہ بے انصافی اور ناراستی کی دُنیا سے اپنے شخصی مذہب میں تسکین حاصل ہو۔ وُہ خُداوند ربّ الافواج ہے جو ہر طرح کی بدی کے خلاف جنگ میں مصرُوف رہتا ہے اور اُس ہی کے حُکم کے تحت انسان بدی سے لڑتا ہے اور آنے والی بادشاہی کا وارث ٹھہرتا ہے۔ پیلاطُسؔ نے خُداوند یسُوع سے کہا: "کیا تُو نہیں جانتا کہ مجھے تجھ کو چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے اور مصلوب کرنے کا بھی اختیار ہے؟ خُداوند یسُوع نے اُسے جواب دیا۔ اگر تجھے اُوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مُجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا۔ اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اُس کا گُناہ زیادہ ہے"۔ (یُوحنّا ۱۹: ۱۰-۱۱) بے شک پیلاطُسؔ کے پاس یسُوع کو مصلوب کرنے کا اختیار تھا، لیکن اُس کے پاس یہ اختیار نہ تھا کہ وُہ یسُوع کو مُردوں میں سے جی اُٹھنے سے باز رکھ سکے۔ گو اشتراکیت

کی اُمڈتی ہوئی طاقت کے مقابلہ میں مسیحی کلیسیا ایک کمزور اور خفیف جماعت معلوم دیتی ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ جماعت اشتراکیت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن کر بڑی ثابت قدمی اور دیوانہ پن سے لیسُوع کے اس سوال کو دُہراتی رہتی ہے کہ "لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟" یہ سوال اشتراکیت کی ترقی میں سنگِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ممکن ہے کہ آپ اس بات پر حیران ہوں کہ میں اپنے اصل مقصد کو جو انجیل کے بیان کا مطالعہ کرنا تھا، بھول گیا ہوں اور مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعہ میں پڑ گیا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں نے صرف اس امر کی یاد تازہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ انجیل کی داستان میں جو مرکزی سوالات اُس وقت پوچھے گئے تھے وہی سوالات دَورِ حاضرہ میں بھی پُوچھے جاتے ہیں۔ ایک یہودی خداوند یسُوع کو اس لئے ابنِ آدم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کیونکہ اُس کی توقعات کے بموجب ابنِ آدم نے آسمان میں بادلوں پر سوار ہو کر آنا تھا مگر خداوند یسُوع "دُکھ اُٹھانے والے خادم" کی حیثیت سے آیا۔ ایک یہودی خداوند یسُوع کو خدا کا بیٹا تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کیونکہ وہ توقع رکھتا تھا کہ خدا ایک فعل کے ذریعہ سے انسان کو اُس کی خطاؤں سے نجات دلائے گا نہ کہ خدا بذاتِ خود انسانی زندگی اور ماحول میں داخل ہو گا۔ یہودی عمانوئیل یعنی "خدا ہمارے ساتھ" کے مکمل مفہوم کو بھی بھول گئے تھے۔ ایک یہودی کے واسطے اس بات پر ایمان رکھنا بھی غیر ممکن بن گیا تھا کہ یسُوع کتابِ مقدس کے مطابق

المسیح ہے، کیونکہ اس سے مُشکل بات اَور کیا ہوسکتی ہے کہ جو پاک نوشتے خدُا نے خود دیئے تھے، اِن کے حقیقی معنوں کو وُہ کیونکہ خود صاف و صریح طور سے بیان کرے گا۔ مُقدّس یُوحنّا یُوں رقمطراز ہے کہ "وُہ اپنے گھر آیا اَور اُس کے اپنوں نے اُسے قبُول نہ کیا۔" (یُوحنّا ۱: ۱۱) اُنہوں نے اُسے اِس واسطے قبُول نہ کیا کیونکہ وُہ اُس کے اپنے تھے۔ اُنہوں نے خُدا کی بخششوں کو ذاتی ملکیّت گردانا۔ خُدا کا نور اُن کے اذہان کو مُنوّر کرنے کا باعث ٹھہرا۔ اُس کی سچائی اُن کی روایت بنی۔ اُس کا کلام اُن کا پاک نوشتہ بنا۔ اَور اُن تمام نعمتوں اَور بخششوں کی بابت وُہ اب کوئی خطرہ مُول لینے کو تیار نہ تھے جن سے خدُا نے اُنہیں مالا مال کیا تھا۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ خُداوند یسُوع جو تمام اقوام کا خدُاوند ہے اَور جس کے وسیلہ سے خُدا کی بادشاہت آئی، اُس کے لئے باعثِ اعتقاد نہ ٹھہرا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات انسانی خیال کے مطابق نہ تھے۔

جب خداوند یسُوع جسمانی حالت میں تھا تو جو بحث و مُبحث اُس کی زندگی کو گھیرے ہُوئے تھی اُس کو ہم ہرگز نہیں بھُول سکتے نہ ہی ہم اس پیرایہ میں اِن تمام بحث و مبحث کو بھُول سکتے ہیں جو دَورِ حاضرہ میں بھی اُس کو گھیرے ہُوئی ہے۔ فی الحقیقت ہمیں ایسے اُمورِ متنازعہ کو ہرگز بھُولنا نہیں چاہیئے۔ ہم پر واجب آتا ہے کہ جب ہم اس قسم کے تکرار و مُبحث میں گرفتار ہوں تو اُس وقت بھی ہم اپنا روئے سخن خُداوند یسُوع کی جانب

کریں، کیونکہ اُس کی زندگی ہی میں ہمیں اِن تمام سوالات کے جوابات ملتے ہیں جو وُہ ہم سے پُوچھتا ہے اَور وُہ بذاتِ خود اِن تمام مسائل کا حل ہے جو ہمیں درپیش ہیں ۞

پی۔آر۔بی۔ایس پریس لاہور میں باہتمام مسٹر ڈی۔ایس۔کے فضل پرنٹرز و پبلشر و سیکرٹری پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی انارکلی لاہور چھپ کر شائع ہُوئی۔

The Publication of this Book was Assisted by a grant made by The W. P. C. C. Literature Board.

Printed at the P. R. B. S. Press and Published by Mr. V.S.K. Fazal, Secretary, Punjab Religious Book Society, Anarkali, Lahore